مروجہ تکافل
اور
شرعی وقف
مروجہ انشورنس کا غیر شرعی متبادل
کیا اغنیاء پر اتفاقاً وقف جائز نہیں؟......جی ہاں
کیا تکافل میں سارے موقوف علیہم اغنیاء ہوتے ہیں؟......جی ہاں
کیا تکافل کی پالیسیاں صرف اغنیاء ہی لے سکتے ہیں؟......جی ہاں
کیا تکافل کے لیے چندہ کی بھیک مانگنا جائز ہے؟......جی نہیں
کیا تکافل اٹھارہ وجوہ سے ناجائز اور غیر شرعی ہے؟......جی ہاں
یہ سب اور ان کے علاوہ تکافل کا ڈھانچہ، دلائل، اجوبۂ اعتراضات وغیرہ کتاب میں ملاحظہ ہوں
مُرتّب
حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب
تلمیذ رشید
حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی
خلیفہ مجاز
عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب
ناشر
تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین
مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851
INSURANCE POLICY

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۱	تقریظ: حضرت مولانا مفتی احتشام الحق آسیا آبادی صاحب دامت برکاتہم	۵
۲	تقریظ: حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم	۶
۳	تقریظ: حضرت مولانا مفتی عبدالغفار صاحب مدظلہ	۷
۴	تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد روزی خان صاحب مدظلہ	۸
۵	پیش لفظ	۱۱
۶	اصطلاحات اور تکافل کا ڈھانچہ	۱۲
۷	مستقبل کے مالی نقصانات سے بچنے کی جائز اور ناجائز تدابیر	۱۴
۸	وقف کی اقسام اور ان کے احکام	۱۸
۹	وقف کے چند ضروری مسائل اور ان کا حکم	۱۹
۱۰	تکافل کا ڈھانچہ	۲۴
۱۱	مروج تکافل کی بنیادیں اور ان پر تبصرہ	۳۷
۱۲	علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستنبطہ ضابطہ	۴۶
۱۳	ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ قاعدہ مع امثلہ	۵۰
۱۴	تکافل میں سود، قمار اور غرر کی وضاحت	۵۳
۱۵	راجح بنیاد کا تفصیلی جائزہ اور عدم جواز کی وجوہ	۵۴
۱۶	وجہ نمبر ۱: وقفِ نقود میں تعامل کی شرط	۵۵

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۷	وقف منقولات میں دوسرے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب	۶۳
۱۸	وجہ نمبر ۲: فقط اغنیاء پر وقف جائز نہیں	۶۶
۱۹	وجہ نمبر ۳: اغنیاء اور فقراء دونوں پر وقف کے جواز کی شرط کا نہ ہونا	۷۲
۲۰	وجہ نمبر ۴: متصدقین یا متضررین کو موقوف علیہم مان کر ان کے حکم میں غلطی کرنا	۷۴
۲۱	وجہ نمبر ۵: مؤونت کی شرط لگا کر اس کے حکم کی مخالفت کرنا	۸۳
۲۲	وجہ نمبر ۶: موقوف علیہم کو وصفِ کلی سے ذکر کرنے کے بعد شیء موقوف کا غلہ اور آمدنی اغنیاء پر خرچ کرنا	۸۴
۲۳	وجہ نمبر ۷: اوصافِ استحقاق عن الوقف کی مخالفت	۸۶
۲۴	وجہ نمبر ۸: ''شرط الواقف کنص الشارع'' کا غلط استعمال:	۸۹
۲۵	وجہ نمبر ۹: استحقاق عن الوقف کے باوجود مختلف وجوہ سے موقوف علیہم کو غلۂ وقف سے محروم کرنا:	۹۴
۲۶	وجہ نمبر ۱۰: وقف کے غلہ اور آمدنی میں چندہ کو شامل کرنا	۹۹
۲۷	وجہ نمبر ۱۱ صدقہ کے حلال ہونے کی شرط کی مخالفت	۱۰۱
۲۸	وجہ نمبر ۱۲: تقسیمِ غلہ میں ضابطہ کی مخالفت	۱۱۰
۲۹	وجہ نمبر ۱۳: وقف کو تحفظ دینے کے لیے ''ری تکافل'' کا سہارا لینا	۱۱۴
۳۰	وجہ نمبر ۱۴: قاعدہ ''العبرۃ فی العقود للمعانی'' کی مخالفت	۱۳۲
۳۱	وجہ نمبر ۱۵: مالکان کمپنی اور شخص قانونی میں فرق بلا دلیل ہے	۱۲۹

نمبر	عنوان	صفحہ
۳۲	وجہ نمبر۱۶: تکافل کمپنی اور انشورنس کمپنی میں فرق بلا دلیل ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک ہے	۱۳۰
۳۳	وجہ نمبر۱۷: قاعدہ ''الامور بمقاصدہا'' کی مخالفت	۱۳۲
۳۴	وجہ نمبر۱۸: بلاضرورت چندہ مانگنا حرام بھی ہے اور لینے والا اس کا مالک بھی نہ ہوگا	۱۳۷
۳۵	تکافل کے جواز پر دلائل اور ان کے جوابات	۱۴۲
۳۶	تکافل ایجنٹ کا حکم	۱۵۸
۳۷	﴿جوابِ تحریر پاک قطر تکافل شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ﴾	۱۶۳
۳۸	تمہیدی امور	۱۶۳
۳۹	شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر اور ہماری گزارشات	۱۷۰
۴۰	مذاہبِ اربعہ اور وقفِ نقود	۱۷۱
۴۱	نقود کا وقف اور عرف	۱۷۶
۴۲	امام بخاری، حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ اور وقفِ نقود	۱۷۹
۴۳	اغنیاء پر وقف اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کی وضاحت	۱۸۲
۴۴	وقفِ مطلق اور اس کی اقسام	۱۹۲
۵	تکافل کی مختلف پالیسیاں صرف اغنیاء ہی لے سکتے ہیں	۱۹۹
۴۶	عطیہ، صدقہ اور ہبہ کے مابین فرق	۲۰۸

تقریظ

حضرت مولانا مفتی احتشام الحق آسیا آبادی صاحب دامت برکاتہم

مدیر جامعہ رشیدیہ آسیا آباد تربت، مکران، بلوچستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وحدہٗ و الصلوۃ و السلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ. اما بعد!

''ہر روز اللہ تعالیٰ کی شان نئے انداز سے اپنی مخلوقات پر طلوع ہوتی ہے''

یہ وہ احساس ہے جو ایک فقہی تحقیق بنام ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' نامی تحقیقی کتاب پڑھتے ہوئے ہوا، اس کتاب کے مؤلف میرے محترم بزرگ حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب ہیں، جو حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اہم شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا امت پر یہ احسانِ عظیم کہ وہ روز ایسی یگانۂ روزگار ہستیاں پیدا فرماتے ہیں کہ وہ قلم ہاتھ میں لیتے ہیں تو تحقیقاتِ علمیہ اور دلائل پہلے سے ان کے منتظر رہتے ہیں۔ کثر اللہ أمثالھم

''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' نامی یہ کتاب مجھے ایسے وقت ملی جب میں ''سفرِ عمرہ'' کے لیے پابہ رکاب تھا، روانگی شروع ہوئی تو جہاز، حرمِ مکی، حرمِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم میں اس کتاب کو بار بار پڑھتا رہا، بندہ اس تحقیق سے مکمل اتفاق کرتا ہے بلکہ اس مسئلہ کے بارے میں بندہ کی رائے پہلے بھی یہی تھی، حضرت مؤلف کتاب مدظلہ العالی کو کتابِ مذکور کی تحقیقات کے بارے میں بعض مشورے بھی بندہ نے مناسب سمجھ کر دے دیے ہیں اور اس پر بھی خوشی ہوئی کہ ایک مختصر عجالہ میں مسئلہ تکافل کے اکثر جوانب کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قبول فرما کر قبولیتِ عامہ نصیب فرمائیں۔ آمین

احتشام الحق آسیا آبادی

خادمِ دارالافتاء جامعہ رشیدیہ آسیا آباد مکران

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم

استاذ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعۃ الحمید رائے ونڈ روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم!

افسوسناک اور دلخراش صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف تو کفر کی دنیا اسلام کا حلیہ بگاڑنے پر بلکہ اسلام کو ختم کرنے پر متفقہ طور پر تلی ہوئی ہے، جبکہ دوسری طرف اسلام کے لبادہ میں بعض حضرات اسلام کے اصلی معاشی نظام کی صورت کو مسخ کر کے کبھی تو اسلامی بینکاری کے نام سے اور کبھی تکافل کے نام سے سودی نظام کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں اور کبھی جدت پسندی کی رو میں بہہ کر ویڈیو کی شکل میں تصویر کشی کے جواز کے فتوے جاری کر کے سادہ لوح دیندار مسلمانوں کو ٹی وی جیسے زہریلے، فحاشی، بے حیائی اور غلط نظریات کے نشریاتی آلات کے دیکھنے اور سننے پر جری بنا رہے ہیں۔

اللہ کریم جزائے خیر دے، حضرت العلامہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور فخر علماءِ حق حضرت العلامہ مفتی زرولی خان صاحب مہتمم احسن العلوم کراچی اور حق وصداقت کے علمبردار حضرت العلامہ مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اور صاحبِ ذوق محقق مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مہتمم جامعہ خلفائے راشدین ﷺ کراچی جنہوں نے خصوصی طور پر ان فتنوں کا خوب تعاقب کیا، اور الحمد للہ ان کی یہ کاوش کافی حد تک مؤثر رہی۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہم کی تازہ ترین تصنیف ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' ہے۔ مولانا موصوف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، خصوصاً تکافل کی بہتر وضاحت کے بعد جو بہتر مواخذہ کیا ہے؛ وہ قابلِ تحسین ہے، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرما کر مزید دینی خدمات کی توفیق سے نواز دے۔ آمین

حمید اللہ جان عفی عنہ

خادم الحدیث والافتاء جامعۃ الحمید رائے ونڈ روڈ لاہور

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عبدالغفار صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعہ اشرفیہ سکھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی تکفل بکل الخلق وحدہٗ و الصلوۃ و السلام علی من لا نبی بعدہٗ و علی اٰلہٖ و أصحابہٖ خیار الامۃ. أما بعد! قال تبارک و تعالی ﴿و لا تمنن تستکثر﴾ صدق اللہ العظیم.

مروجہ تکافل سے متعلق رسالہ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہ العالیہ بنظرِ غائر دیکھا۔ موصوف نے تکافل کے ڈھانچہ کے مختصر تعارف اور جواز کی بنیادوں کی تعیین بالخصوص راجح بنیاد کے جائزے کے ساتھ مجوزین کے دلائل پر نہایت عالمانہ، فقیہانہ تبصرہ کر کے مسئلہ کی وضاحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ شاید اس موضوع پر اور کچھ لکھنے کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی اور اتمام حجۃ اللہ علی الخلق کر دیا ہے۔ اب کسی کے پاس کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔ ہدایت حاصل کر کے عمل کرنے کے لیے اتنا کافی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت پوری امت مسلمہ کو اس کی قدر اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور مؤلف کو عمرِ دراز کے ساتھ ایسی مزید تحقیقات کی توفیق عطاء فرمائے اور اپنی رضا کا باعث بنائے۔ آمین ثم آمین

(اللھم أرنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و أرنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابه)

العبد المستغفر عبدالغفار غفر اللہ لہ

دارالافتاء جامعہ اشرفیہ سکھر

یکم/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد روزی خان صاحب مدظلہ

رئیس دارالافتاء ربانیہ، جی او آر کالونی، کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مروجہ تکافل اپنے تمام اقسام سمیت (بزعمھم) انشورنس اور بیمہ کا اسلامی متبادل ہے، تکافل کے عنوان سے پوری دنیا کے طول وعرض میں جو کمپنیاں متعارف ہیں، ہماری رائے اور ماہرین کی رائے کے مطابق یہ تکافل مروجہ اسلامی بینکاری کی اساس اور بنیاد ہیں، بوجہ ایں کہ بینکنگ نظام بدون وجود انشورنس صرف یہ نہیں کہ نتیجہ خیز نہیں، بلکہ اس کا وجود ہی ممکن نہیں۔ مروجہ اسلامی بینکاری کے موجدین کا ارادہ تھا کہ اسلامی خطہ کو سودی بینکاری کی لعنت سے پاک وصاف کر کے اس کا متبادل فراہم کیا جائے۔ اس کیلئے انہوں نے انتھک کوششیں کیں۔ توانائیاں خرچ کیں، عمریں کھپائیں، مگر نہ معلوم کہ مشیت خداوندی کیا تھی کہ ہمیں نظام کا ''متبادل'' نظام حاصل نہ ہوسکا، اسکے بجائے ''سودی نقل'' نصیب ہوئی، کہنے کا مقصد یہ کہ سودی نظام کا متبادل ہاتھ نہ آیا اور نہ ہم سے اتنی ہمت ہوسکی کہ اس کا متبادل معرضِ وجود میں لاسکے بلکہ سودی نظام کی نقل ہی اُتاری، یہ وہ شخص بخوبی جان سکتا ہے جو انتہائی یکسوئی اور حاضر دماغی کے ساتھ سودی بینکاری اور مروجہ اسلامی بینکاری کا تقابلی مطالعہ کرے، اور یا اس کا عملی جائزہ لے۔ اسی طرح دوسرے مرحلہ میں مروجہ اسلامی بینکاری کے شدید تقاضوں کی بنیاد پر تکافل کا سہارا لیا جو کہ ان حضرات کے زعم وگمان کے مطابق انشورنس اور بیمہ کا متبادل ہے۔

تکافل کے اس بے جان نظام کو چلانے کیلئے مجوزین کو جس طرح ایک مضبوط مشین کی ضرورت تھی مجوزین وہ فراہم نہ کر سکے بلکہ اس کے بجائے انہوں نے ایک انتہائی کمزور مشین فرہم کی جسے ''شخصِ قانونی'' کہتے ہیں یہ شخصِ قانونی تکافل کے جملہ اقسام کے حل وعقد اور نظام وانصرام کا مختار ہے؛ جس کا نام سنتے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک کمزور چیز ہے بلکہ اس کا نام قانون اور کاغذ کی حد تک محدود ہے، جو کہ تکافل جیسے طویل وعریض اور بھاری بھرکم نظام کو کندھوں پر اُٹھا کر چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوسکتا، عملی میدان میں اس کا کردار ہیچ ہے، اس لئے علمی اور شرعی میدان میں یہ ''شخص قانونی'' چلنے پھرنے سے عاجز ہوکر زمین پر گھٹنے ٹیک کر ہمیشہ کے لئے بیٹھ گیا ہے۔

تکافل کے تمام اقسام کی بنیادیں ان تین چیزوں پر رکھی گئی ہیں (۱) ہبہ بشرط العوض: اس کا

مطلب یہ ہے کہ تکافل ہولڈر کمپنی کو مقررہ رقم ادا کریگا اور کمپنی اس کو اس کے عوض رقم دے گی۔ (۲) وقف: اس کا مطلب یہ کہ تکافل ہولڈرز جو رقوم چندہ کی مد میں کمپنی کو دیتے ہیں وہ متعلقہ پول (حوض) پر وقف (یعنی چندہ) ہو۔ (۳) التزام تبرع (صدقہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء تمام کے تمام اپنے اوپر یہ لازم کرتے ہیں کہ ہم کمپنی کو چندہ دیں گے، اور کمپنی بھی اپنے اوپر یہ بات لازم کردیتی ہے کہ میں بھی شرکاء کے نقصان کی تلافی کروں گی۔ یہ تینوں بنیادیں صریح البطلان ہیں:

(۱) ہبہ بشرط العوض اس لئے ناجائز ہے کہ فقہائے کرام کی تصریح کے موافق ہبہ بشرط العوض میں طرفین کی جانب سے ہبہ کا تبادلہ ہوتا ہے، یہ عقد اگرچہ اوّلاً تبرع اور ہبہ ہے مگر انتہاء یہ ''عقد بیع'' ہے، اسی لئے فقہائے کرام نے اس معاملہ کی انتہاء کو ابتداء پر ترجیح دیتے ہوئے اس پر بیع کے احکام جاری فرمائے، یہ بات کسی ذی علم و دانش پر مخفی نہیں کہ عقد بیع میں اگر جانبین سے رقوم (نقد) ہو تو اس میں مساوات ضروری ہے، ورنہ سود لازم آئے گا، لیکن تکافل میں چندے والی رقم اور نقصان وغیرہ کی صورت میں اس کو کمپنی کی طرف سے ملنے والی رقم میں مساوات مفقود ہوتی ہے لہٰذا صریح سود لازم آئے گا۔

علامہ ابن نجیم المصری لکھتے ہیں:

و الهبة بشرط العوض ابتداء فليشترط فيها التقابض في العوضين و تبطل بالشيوع، بيع انتهاء فترد بالعيب و خيار الرؤية و تؤخذ بالشفعة. [ج ۷/ ص ۵۰۲]

(۲) وقف اس لئے درست نہیں کہ تکافل میں جو رقوم وقف (یعنی چندہ) کی مد میں آجاتی ہیں وہی رقوم انہی چندہ دہندگان پر صرف ہوتی ہیں، جو کہ تمام کے تمام اغنیاء اور سرمایہ دار ہوتے ہیں جبکہ فقہائے کرام کی تصریحات کے موافق صرف سرمایہ داروں اور اغنیاء کے لئے کوئی چیز وقف کرنا جائز نہیں، کیونکہ کہ وقف کا بنیادی مقصد صدقہ کرکے ثواب کا حصول ہوتا ہے، اور اغنیاء کے لئے وقف کرنے کی صورت میں صدقہ اور ثواب کا حصول منتفی ہوجاتا ہے، چنانچہ شامیہ میں ہے:

لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة.

[مطلب لو وقف على الأغنياء وحدهم، ج ۴/ ص ۳۳۸، سعید کراچی]

(۳) التزام تبرع کے بطلان پر تو اولاً بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ کہ جو لوگ اللہ تعالی کی فرض کی ہوئی زکوۃ ادا نہیں کرتے بلکہ اس سے کتراتے ہیں وہ تبرعات اور عطیات کہاں سے دیں

گے؟ ثانیاً اگر ہم اس کو زبان اور الفاظ کی حد تک تبرع کا نام دیدے کہ چندہ دہندگان پول (حوض) کو رقم عطیہ کر دیتے ہیں؛ پھر بھی صحیح نہیں اس لئے کہ یہاں تو جانبین سے تبرع کا التزام پایا جاتا ہے، شرکاء کمپنی کے ساتھ تبرع کرنے کا التزام کرتے ہیں اور کمپنی شرکاء کے ساتھ تبرع کرنے کا التزام کرتی ہے، یہ بھی نتیجۃً پھر ہبہ بشرط العوض کی طرح عقد معاوضہ ہے جو کہ بیع کے زمرے میں آتا ہے (وھو باطل کما قدمناہ)

تفصیل میں جانے کے بجائے اگر ایک ہی بات کہہ دی جائے تو بہتر ہوگا وہ یہ کہ مروجہ تکافل کے جملہ اقسام کا نظام ''سراب الارض'' کی طرح صرف ظاہری طور پر چمک رہا ہے جسے فقہ کہ چند بڑے قواعد سے رنگا گیا ہے۔لہٰذا اگر بغور اس کا فقہی اور شرعی جائزہ لیا جائے تو یہ نظام کھوکھلا ہے اور انتہائی مفلوج اور مفلوک الحال ہے۔شرعی اعتبار سے اس کے جواز کا کوئی راستہ نہیں،اور جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے اس کا پورا نظام تکلفاتِ باردہ اور توجیہاتِ بعیدہ پر کھڑا کیا ہوا ہے،، ہماری رائے کے مطابق درحقیقت ''مروجہ تکافل کمپنیوں'' کی عمارت بھی انشورنس اور بیمہ کی طرح سود، غرر اور قمار پر کھڑی ہے۔

مجوزین کے دلائل کے ضعف وسقم اور ان کے دلائل کے جوابات پر حضرت مفتی احمد ممتاز مدظلہ نے قابلِ قدر کام کیا ہے، ہماری تحقیق کے مطابق ان کا موقف درست ہے، ہم ان کی عظیم کاوش کی تائید اور تصویب کرتے ہیں اور ہمارے ادارے کی رائے بھی ان کے موقف سے متفق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ اپنے درِعالی میں قبول ومنظور فرمائیں اور جن مقاصد کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب نے یہ محنت کی، اللہ تعالیٰ اس بارے میں بارآور فرمائے اور مخلوق کیلئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ (آمین)

یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

آپ کا دعا گو و دعا جو

(مفتی) محمد روزی خان

دارالافتاء ربانیہ جی، او، آر کالونی کوئٹہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

۱۶ فروری ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم أما بعد:

جب سے مروجہ اسلامی بینکاری شروع ہوئی ہے تقریباً ساتھ ساتھ تکافل (اسلامی بیمہ) بھی شروع کر دیا گیا ہے، کیونکہ تکافل کے بغیر بینک ایک لحہ بھی اپنی حیثیت اور معاملات کو قائم نہیں رکھ سکتا، اس لئے کہ تکافل کے بغیر نہ وہ کسی چیز کو مرابحۃً بیچ سکتا ہے اور نہ ہی اجارہ پر دے سکتا ہے۔ جبکہ اس وقت تک اس کا سب سے بڑا کاروبار یہی مرابحات واجارات ہیں۔

چونکہ بینکاری کی طرح تکافل بھی کئی خلافِ شرع امور پر مشتمل ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ بینکاری کی طرح تکافل میں بھی جو خلافِ شرع امور ہیں، ان کی نشاندہی کی جائے اور عام مسلمانوں کے سامنے اس کی حرمت اور خلاف شرع ہونے کو دلائل شرعیہ سے ظاہر کیا جائے۔

بندہ نے آنے والی سطور میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر بارآور بنائیں، اور اہل تکافل کے لئے اس سے واپس ہونے اور عام مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کا مؤثر ذریعہ بنائیں اور دنیا و آخرت میں بندہ اور بندہ کے جملہ احباب اور معاونین کے لئے بڑا توشہ بنائیں۔

ان سطور میں درج ذیل امور ہیں:

(۱) بعض اصطلاحات اور تکافل کے ڈھانچہ کا مختصر تعارف

(۲) تکافل کے جواز کی بنیادوں کی تعیین اور ان پر مختصر تبصرہ

(۳) راجح بنیاد کا تفصیلی جائزہ　　(۴) مجوزین کے دلائل پر مختصر تبصرہ

علمائے کرام سے گزارش ہے کہ ان معروضات پر غور فرمائیں، اور قابل اصلاح بات کی ضرور نشاندہی فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

خادم العلماء احمد ممتاز عفی عنہ

جامعہ خلفائے راشدین، گریکس ماری پور، کراچی

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اصطلاحات اور تکافل کا ڈھانچہ﴾

عقد کے لغوی اور اصطلاحی معنی :

لغوی معنی : عقد کے لغوی معنی باندھنے، جوڑنے اور گرہ لگانے کے ہیں۔

اصطلاحی معنی : عاقدین میں سے کسی ایک جانب سے صادر ہونے والے ایجاب کا دوسری جانب کے قبول کے ساتھ ایسے طور پر متعلق ہونا کہ اس کا اثر اپنے محل یعنی معقود علیہ میں ظاہر اور ثابت ہو جائے۔

عقد کی اقسام: عقد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معاوضات (۲) تبرعات

معاوضات: وہ عقود ہیں جن میں کسی عوض کے بدلے میں کسی کو کسی عینِ مال یا منفعت کا مالک بنایا جائے، جیسے کہ بیع، جس میں دونوں طرف سے مال ہوتا ہے اور جیسے اجارہ، جس میں ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے منفعت ہوتی ہے۔

تبرعات: تبرعات جمع ہے تبرع کی جس کے معنی احسان کے ہیں۔

تبرعات ان عقود کو کہتے ہیں جن میں کسی کو کسی شے کا بدوں کسی عوض مفت میں مالک بنایا جائے، الفاظ میں بھی اور حقیقت میں بھی۔ نیوتہ وغیرہ کی طرح نہ ہو کہ الفاظ میں تو ہدیہ، تبرع اور ہبہ بلاشرط العوض ہے اور حقیقت میں ہبہ بالعوض اور قرض ہے۔

عقد معاوضہ کی اقسام :

(۱) بیع (۲) اجارہ (۳) رہن

(۴) صلح بالمال (۵) ہبہ بشرطِ العوض (۶) عقد الموالاۃ

(۷) نکاح (۸) خلع

عقدِ تبرع کی اقسام :

(۱) ہبہ بدون العوض (۲) صدقہ (۳) قرض (۴) عطیہ

(۵) وصیت (۶) وقف (۷) عاریت

مضاربہ : وہ عقد ہے جس میں دو فریق ہوتے ہیں، ایک کی جانب سے سرمایہ اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے اور جو نفع ہوتا ہے وہ باہم طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ اور نقصان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کچھ نفع آنے کے بعد نقصان ہوا ہے تو اولاً نفع سے نقصان کو پورا کیا جائے اور جو نقصان نفع سے بڑھ جائے تو وہ سارا کا سارا رب المال کا ہوگا اور نفع آنے سے پہلے نقصان ہوا تو وہ بھی سارا کا سارا رب المال کا ہوگا۔ ہاں! اگر مضارب کی تعدّی اور زیادتی کی وجہ سے نقصان ہوا ہو تو پھر پورا نقصان مضارب پر ڈالا جائیگا۔

وکالہ: سہولت یا کام نہ جاننے کی وجہ سے جائز کاموں میں دوسرے شخص کو اپنا نائب بنانا، اس میں پہلے فریق کو اصیل یا موکل کہتے ہیں اور دوسرے فریق کو وکیل کہتے ہیں۔ وکالہ کی وجہ سے مؤکل کے اختیارات ختم نہیں ہوتے، بلکہ اگر وہ چاہے تو خود بھی وہی تصرفات کر سکتا ہے جو وکیل کے حوالے کئے گئے ہیں۔

مؤکل کے معزول کرنے سے وکیل معزول ہوگا، البتہ اس کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) وکیل کو اس بات کا علم ہو کہ مؤکل نے اسے معزول کر دیا ہے۔

(۲) وکالہ کی وجہ سے وکیل کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہ ہوا ہو۔

جس طرح مؤکل وکیل کو معزول کر سکتا ہے اسی طرح وکیل خود اپنے آپ کو بھی معزول کر سکتا ہے بشرطیکہ اسی مجلس میں یا بعد میں تصرفات سے پہلے مؤکل کو بتادے کہ میں وکالہ واپس کر رہا ہوں۔

وکالت اور اجرت : وکالہ بالاجرت اور بدون الاجرۃ دونوں طرح جائز ہے یعنی اگر وکیل وکالہ فیس اور اجرت لے تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر محض تبرع اور احساناً بلا اجرت کسی کا کام کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

﴿مستقبل کے مالی نقصانات سے بچنے کی جائز اور ناجائز تدابیر﴾

جائز تدابیر :

(۱) **حفاظتی تدابیر :** اس تدبیر میں حفظ ماتقدم کے طور پر ایسے اقدامات کیے جاتے ہیں کہ جن سے نقصان کا خطرہ ختم یا کم ہو۔ مثلاً کارخانہ اور فیکٹری میں سگریٹ نوشی؛ اور باورچی خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چولھا جلانے یا اگربتی لگانے پر پابندی لگائی جائے تاکہ آگ نہ لگے۔

گھر، جائیداد یا کاروبار دریا یا سمندر اور وہ ندی نالے جن میں سیلاب آنے کا خطرہ ہو، سے دور لگائے جائیں تاکہ ڈوبنے اور غرق ہونے سے حفاظت ہو، اس تدبیر کو بعض ''انضباطی طریقہ'' بھی کہتے ہیں۔

(۲) **تبرعاً نقصان کی تلافی کا ذمہ لینا :** اس تدبیر کی دو صورتیں ہیں:

(۱) بدوں جبر و اکراہ اپنی خوشی اور طیبِ خاطر سے کسی کے مالی نقصانات کی ذمہ داریاں تبرعاً و احساناً بلا معاوضہ اپنے ذمہ لینا۔............جیسے............

(الف) کسی خاندان کے معاشی اخراجات اپنے ذمہ لے کر ماہانہ مقرر کرنا۔

(ب) اپنے ملازمین کے ایک وقت کے کھانے کے اخراجات اپنے ذمہ لینا، نیز ملازم اور اس کے اہل خانہ کے طبی اخراجات اپنے ذمہ لینا۔

(۲) شریعت کا کسی کے ذمہ لگانا۔ استحباباً یا وجوباً،......جیسے......

(الف) ضمان خطر الطریق: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ فلاں راستے پر چلو یہ ڈاکو وغیرہ سے محفوظ ہے اور اگر تمہارا مال چھین لیا گیا تو میں ضامن ہوں گا چنانچہ وہ شخص اس کی ضمانت کی بنیاد پر اس راستے پر چلا لیکن آگے جا کر اس کو ڈاکوؤں نے لوٹا اور مال چھین لیا تو یہ شخص شرعاً ضامن ہوگا۔

(ب) ضمان الدرک : اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ڈر رہا ہے کہ میں جو زمین خرید رہا ہوں کہیں یہ کسی اور کی یعنی مغصوبہ نہ ہو، تو دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ تم اس کو خرید لو اگر اس زمین کا کوئی اور مالک نکل آیا تو میں ذمہ دار ہوں گا، بعد میں واقعۃً زمین کسی

اور کی نکل آئی، تو شرعاً ضمانت لینے والا شخص ضامن ہوگا۔ البتہ خریدار کو اختیار ہے کہ بائع سے اپنا پیسہ واپس لے یا ضامن سے۔

(ج) **عقد موالات**: اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی نومسلم کسی کے ہاتھ پر یہ عقد کرے کہ اگر میں کوئی جنایت کروں تو اس کی ضمانت آپ لیں اور اس کی بنیاد پر میری موت کے بعد میری میراث آپ کو ملے گی، اس عقد کی وجہ سے ان کے درمیان رشتۂ ولاء قائم ہو جاتا ہے، اب اگر یہ نومسلم کوئی جنایت کرے گا تو یہ اس کا ضمان ادا کرے گا اور اس نومسلم کے انتقال کے بعد اگر اس کے اور شرعی وارث نہ ہوں تو اس کی میراث اس مولیٰ الموالاۃ کو عقد موالات کی بنا پر ملے گی۔

(۳) **مشترکہ طور پر نقصان کی تلافی کا طریقہ**: اس طریقے میں تمام شرکاء شریعت کے وضع کردہ قانون کے مطابق پیش آمدہ نقصان کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔......مثلاً............

(الف) ایک ڈیرے میں مقیم آٹھ دس افراد مشترکہ کھاتے پیتے ہیں تو اس کا کرایہ، بجلی، گیس اور کھانے کے اخراجات، اسی طرح اگر مشترکہ برتن یا مشترک پیسے چوری ہو جائیں تو اس نقصان کی تلافی سب کے ذمے مشترک طور پر لازم ہے۔

(ب) عاقلہ پر دیت: اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے، تو اس کی بعض صورتوں میں اس قتل کی وجہ سے قاتل پر شرعاً دیت لازم ہو جاتی ہے، اور یہ دیت بعض صورتوں میں صرف قاتل پر نہیں بلکہ اس کی برادری، اہل دیوان وغیرہ پر بھی اداء کے اعتبار سے لازم ہو جاتی ہے، اس کو عاقلہ پر دیت کہتے ہیں۔

ناجائز تدابیر:

(۱) **وھمی تدبیر**: یعنی ایسے امور جن کا اختیار کرنا شرعی یا طبعی طور پر ضروری ہے پھر بھی ممکنہ خطرات سے بچنے کے لیے اس کو چھوڑنا اور ان میں ملوث نہ ہونا، جیسے کے حادثے کے ڈر سے بس میں سفر نہ کرنا، گھر سے باہر نہ نکلنا، چھت کے نیچے نہ بیٹھنا وغیرہ۔

(۴) **جوا اور سودی تدبیر:** اس تدبیر میں مالی عوض کے بدلے میں کسی کے مستقبل میں پیش آمدہ ممکنہ نقصانات کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے یعنی اس میں نقصان کو مالی عوض کے بدلے میں دوسرے فریق کے ذمہ میں ڈالا جاتا ہے مثلاً انشورنس یا تکافل پالیسی خرید کر آئندہ کے نقصانات کو انشورنس اور تکافل کمپنی کے ذمہ ڈالنا۔

تعاون اور تناصر کی صورتیں:

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **تبرعاً و احساناً:** یہ ایک جانب سے ہوتا ہے اور اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہوتی ہے دنیاوی مفاد مقصود نہیں ہوتا۔

(۲) **معلوضۃ:** اس میں مقصود دنیاوی مفاد ہوتا ہے البتہ اگر اس میں نیت اچھی ہو تو اجر وثواب بھی ملے گا۔

تبرع کی صورتیں:

(۱) ہبہ غیر مشروط بالعوض (۲) صدقہ، جس میں تکثیر کی نیت نہ ہو۔

(۳) غیر سودی قرض (۴) عطیہ (۵) وصیت

(۶) عاریت (۷) نذر یعنی جانبِ واحد سے التزام تصدق

(۸) دیت علی العاقلہ، یہ بھی قاتل کے ساتھ تبرع ہے، یعنی کسی مالی عوض کے بدلے میں نہیں ہے، البتہ اس کا پورا کرنا شرعاً واجب ہے تاکہ مقتول کے اولیاء کا حق ضائع نہ ہو۔ جیسے نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔

(۹) وقف۔

(۱) **ہبہ:** ”کسی کو کسی چیز کا بغیر عوض کے مالک بنانا“ (اور اس سے مقصود موہوب لہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے)

حکم: موہوب لہ (جسے تحفہ دیا جارہا ہے) کے لیے بغیر کسی عوض کے شیءِ موہوب (تحفہ دی گئی چیز) میں قبضہ کر لینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

(٢) **صدقه**: ''وہ عطیہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کی جائے'' (الشامیہ) صدقہ کا لفظ عام ہے، صدقات واجبہ وغیر واجبہ دونوں کو شامل ہے۔

(٣) **قرض**: ''وہ مثلی چیز جو آپ کسی کو دیں تاکہ بعد میں آپ اسے وصول کریں''۔

حکم: قرض کا حکم یہ ہے کہ مستقرِض (قرض لینے والے) کے لیے قرض لی گئی چیز میں فی الحال ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور مستقرِض (قرض لینے والے) کے ذمہ اسی شے کی طرح چیز مقرِض (قرض دینے والے) کے لیے واجب الاداء ہو جاتی ہے۔ (بدائع)

قرض کی تعریف سے معلوم ہوا کہ قرض ذوات الامثال کے ساتھ خاص ہے، ذوات القیم کا قرض جائز نہیں۔ جیسے بکری وغیرہ۔

(٤) **عطیه**: ''عطیہ'' ہبہ کا مترادف ہے اور صدقہ سے عام ہے۔ (عمدۃ القاری)

(٥) **وصیت**: ''اپنی موت کے بعد کی طرف نسبت کر کے بطور تبرع کسی کو اپنے مال کا مالک بنانا''۔ (العنایہ)

حکم: اس کا حکم یہ ہے کہ موصیٰ لہ (جس کے لیے وصیت کی گئی ہے) موصی (وصیت کرنے والے) کے مرنے کے بعد نئی ملکیت کے ساتھ اس شے کا مالک ہو جاتا ہے جیسا کہ ابتداءً ہبہ اور تحفہ سے وہ مالک بنتا ہے۔

(٦) **عاریت**: ''کسی کو کسی چیز کے منافع (فائدوں) کا مفت میں مالک بنانا''۔

حکم: جو چیز عاریت میں دی گئی ہے وہ امانت ہے۔ لہٰذا اگر بدوں تعدی (زیادتی) ضائع ہوئی تو ضمان نہیں اور اگر تعدی سے ضائع ہوئی تو ضمان ہے۔

(٧) **نذر**: ''نذر وہ چیز ہے جس کو آدمی اپنے اوپر واجب کرتا ہے صدقہ، عبادت یا اس جیسی چیزوں میں سے''۔

حکم: جس چیز کی نذر مانی ہے اسے پورا کرنا لازم ہے۔

(٨) **دیت**: ''وہ مال جو کسی کی جان کے بدلے میں ہو''۔

(٩) **وقف**: وقف لغت میں ''حبس'' یعنی روکنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں:

’’کسی چیز کی ذات کو اللہ جل شانہ کی ملکیت پر روکنا اس طور پر کہ اس کی منفعت بندوں کی طرف لوٹے‘‘۔

حکم: وقف لازم ہوگا، موقوف شے نہ بیچی جائے گی نہ اس کا ہبہ درست ہوگا اور نہ وہ واقف کے ترکہ میں شامل ہوگی۔

وقف کی شرائط:

(۱) عقل: لہٰذا غیر عاقل کا وقف جائز نہیں۔

(۲) بلوغ: لہٰذا نابالغ کا وقف جائز نہیں۔

وقف کی اقسام اور ان کے احکام

(۱) غیر منقولی چیز کا وقف کرنا۔ مثلاً زمین، مکان، دکان، مسافر خانہ اور ہسپتال وغیرہ۔

(۲) ایسی منقولی چیز کا وقف کرنا جس کا وقف نص سے ثابت ہو، مثلاً زرہ، گھوڑا وغیرہ۔

(۳) منقولی چیز کو غیر منقولی کا تابع بنا کر وقف کرنا۔ مثلاً زمین کے ساتھ بیل بھی وقف کیا یا مکان کے ساتھ پانی کی مشین بھی وقف کی۔

(۴) ایسی منقولی چیز جو غیر منقولی کے تابع نہ ہو اور منصوص بھی نہ ہو لیکن اس چیز کے وقف کرنے کا تعامل ہو گیا ہو۔ مثلاً ہسپتالوں میں وہیل چیئر وغیرہ۔

مذکورہ بالا چاروں صورتوں میں وقف درست ہے۔

(۵) ایسی منقولی چیز جو غیر منقولی کے تابع نہ ہو اور منصوص بھی نہ ہو اور اس کے وقف کا تعامل بھی نہ ہو۔ مثلاً کلہاڑا، تیشہ وغیرہ تو ایسا وقف کرنا جائز نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص ہسپتال یا کسی دوسرے ادارے میں چارپائی یا وہیل چیئر وغیرہ وقف کرے یا مسجد کے لیے دکان وقف کرے اور اس کے ساتھ سامان بھی وقف کرے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص ہسپتال، مسجد اور مدرسہ میں کچھ رقم لائے اور کہے کہ میں یہ پیسے مدرسہ کے لیے وقف کرتا ہوں یعنی ان پیسوں کو خرچ نہ کیا جائے؛ بلکہ ان سے کاروبار کر کے ان کی آمدنی مدرسہ پر خرچ کی جائے؛ تو یہ وقف رقوم میں تعامل نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں کیونکہ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو رقوم کو وقف کرتا ہو۔

وقف کے چند ضروری مسائل اور ان کا حکم

(۱) مسافر خانہ، مسجد یا مقبرہ (قبرستان) بنا کر اس کو وقف کرنا جائز ہے اور اس سے فقراء اور اغنیاء دونوں نفع اٹھا سکتے ہیں اس لیے کہ دونوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۲) زمین، مکان یا دکان کو اس طرح وقف کیا کہ اس کا کرایہ اور آمدنی کارِ خیر یعنی مسجد، مدرسہ یا مسافر خانہ پر صرف کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(۳) زمین، مکان یا دکان کو اس طرح وقف کیا کہ اس کا کرایہ اور آمدنی صرف فقراء و مساکین پر خرچ کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(۴) زمین، مکان یا دکان کو اس طرح وقف کیا کہ اس کا کرایہ اور آمدنی مثلاً زید، عمرو اور بکر پر خرچ کی جائے تو یہ جائز ہے، اور اس صورت میں ان میں سے جس کا انتقال ہوگا صرف اس کا حصہ صرف فقراء اور مساکین کا بنتا جائے گا اور جب سب کا انتقال ہو جائے گا تو سب کا سب متولی وقف مساکین پر صرف کرے گا۔

(۵) زمین، مکان یا دکان کو اس طرح وقف کیا کہ اس کا کرایہ اور آمدنی صرف اغنیاء پر خرچ کی جائے تو یہ جائز نہیں۔

(۶) زمین، مکان یا دکان کو اس طرح وقف کیا کہ اس کا کرایہ اور آمدنی اغنیاء اور فقراء دونوں پر خرچ کی جائے لیکن اغنیاء کی تعداد بیان نہیں کی اور نہ ہی متعین کیا تو یہ بھی جائز نہیں۔

(۷) زمین، مکان یا دکان کا کرایہ اور آمدنی اغنیاء اور فقراء دونوں کے لیے وقف کی لیکن اغنیاء کی تعداد سو (۱۰۰) یا ایک سو پچاس (۱۵۰) یعنی متعین اور محدود ہے تو یہ جائز ہے اور آمدنی پہلے اغنیاء پر خرچ ہوگی پھر فقراء پر۔ جیسے جیسے اغنیاء مرتے جائیں گے تو فقراء کے لیے بنتا جائے گا۔

(۸) ایک شخص نے زمین کو وقف کر کے کہا کہ اس کی آمدنی زید، عمرو، خالد وغیرہ متعین افراد پر صرف ہوگی تو یہ وقف جائز ہے اور اب اس کو اس وقف سے رجوع کرنا یا بعض موقوف علیہ کو موقوف علیہ ہونے سے نکالنا یا بعض کے حصے کو کم یا زیادہ کرنا جائز نہیں۔

(۹) اگر واقف نے بوقت وقف اپنے لیے موقوف علیہم یا ان کے حصص میں کمی زیادتی کے اختیار کی شرط لگائی تو ایک مرتبہ کمی و زیادتی کے بعد دوبارہ کمی زیادتی نہیں کرسکتا، البتہ اگر بار بار کمی زیادتی کرنے کی شرط لگائی ہو تو بار بار کمی زیادتی کرسکتا ہے، لیکن اگر شرط نہیں لگائی تو وقف کے تام ہونے کے بعد کمی و زیادتی نہیں کرسکتا۔

(۱۰) کسی نے مکان و دکان وقف کر کے کہا کہ اس کے کرائے کا ایک تہائی حصہ زید کو اور ایک تہائی عمرو کو اور ایک تہائی حصہ فلاں مسجد میں سوال کرنے والے سائلین کو دیا جائے تو اس صورت میں واقف نے جو حصہ فلاں مسجد کے سائلین کے لیے مقرر کیا ہے وہ حصہ صرف ان کے لیے نہیں بلکہ ہر مسکین کو دینا جائز ہے خواہ وہ اس مسجد کے اندر سوال کریں یا مسجد سے باہر سوال کریں یا بالکل سوال ہی نہ کریں۔ واقف کی یہ شرط کہ فلاں مسجد میں سوال کرنے والے ہی کو دینا ہوگا، اس کا نبھانا اور پورا کرنا شرعاً لازم نہیں۔

(۱۱) کسی نے مکان، دکان یا زمین کا کرایہ اور آمدنی اس طرح وقف کی کہ اس سے موقوف علیہم مساکین کو کپڑا یا آٹا یا گوشت خرید کر دیا جائے تو اس صورت میں بھی واقف کی اجناس کی شرط کا نبھانا اور پورا کرنا لازم نہیں، موقوف علیہم مساکین کو اختیار ہے کہ وہ نقد کی صورت میں کی صورت میں لینا چاہیں تو نقد کی صورت میں دینا ضروری ہے اور اجناس کی صورت میں لینا چاہیں تو اجناس کی صورت میں دینا ضروری ہے۔

(۱۲) کسی نے مکان، دکان یا زمین کا کرایہ اور آمدنی اس طرح وقف کی کہ اس کے کرائے کا ایک تہائی حصہ زید کی اولاد کے لیے اور ایک تہائی مساکین کے لیے اور ایک تہائی گرجے کے لیے تو اس صورت میں گرجے کو دینے کی شرط کا پورا کرنا جائز نہیں اور یہ ایک تہائی بھی مساکین کے لیے ہوگا۔

(۱۳) کسی نے مکان، دکان یا زمین اس طرح وقف کی کہ اس کی مرمت کا کام موقوف علیہم کے ذمہ ہے لہٰذا جو بھی استعمال کرے گا تو مرمت کرے گا تو یہ شرط جائز ہے۔

(۱۴) اگر واقف نے موقوف علیہم کو ایسے وصف کے ساتھ ذکر کیا جو کبھی زائل نہ ہوتا ہو

جیسے یہ کہا کہ اس مکان کی آمدنی اندھوں، بہروں یا لنگڑوں کے لیے وقف ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ وقف کرتے وقت جن افراد میں یہ وصف پایا جائے گا وہ مستحقِ غلہ (آمدنی) ہوں گے اور اس کے بعد جو جو اندھا، بہرا، لنگڑا ہوگا وہ مستحق نہیں ہوگا اور جب اندھے وغیرہ ختم ہو جائیں تو غلہ مساکین کے لیے ہو جائے گا لیکن اگر وقف کرتے وقت یہ صراحت کر دی تھی کہ ان کے ختم ہو جانے کے بعد اور اندھوں کے لیے تو ایسی صورت میں پھر اور اندھوں کے لیے ہوگا۔

(۱۵) اگر واقف نے موقوف علیہم کو ایسے وصف کے ساتھ ذکر کیا جو زائل ہوتا ہو لیکن زائل ہونے کے بعد واپس نہ آتا ہو جیسے صغر، یُتم یعنی یہ کہا کہ اس مکان کی آمدنی نابالغ یا یتیم بچوں کے لیے وقف ہے تو اس کا حکم بھی یہ ہے کہ وقف کرتے وقت جن افراد میں یہ وصف پایا جائے گا وہ مستحقِ غلہ (آمدنی) ہوں گے اور اس کے بعد جو نابالغ یا یتیم ہوگا وہ مستحق نہیں ہوگا.......... اور ان کے ختم ہو جانے کی صورت میں وہی معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ صورت نمبر ۱۴ میں گزرا۔

(۱۶) اگر واقف نے موقوف علیہم کو ایسے وصف کے ساتھ ذکر کیا جو زائل بھی ہوتا ہو اور زوال کے بعد واپس بھی آتا ہو مثلاً فقر، مرض وغیرہما یعنی یہ کہا کہ اس مکان کی آمدنی اس بستی کے فقراء یا بیماروں پر وقف ہے تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ جس وقت غلہ (آمدنی) حاصل ہوگا اس وقت جن جن لوگوں میں یہ وصف پایا جائے گا وہ مستحقِ غلہ (آمدنی) ہوں گے اگرچہ وقف کرتے وقت ان میں یہ وصف موجود نہ بھی ہو۔

(۱۷) اگر کوئی شخص کسی علاقے میں پانی کا ایک بہت بڑا تالاب بنا کر وقف کر دے اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کر دے کہ جو اس تالاب میں دس ٹینکر پانی ڈالے گا وہ اس تالاب کا موقوف علیہ ہو جائے گا اور مثلاً عرصہ دو یا تین سال میں اگر درج ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آ گئی تو اس کو تالاب سے اتنی اتنی مقدار میں پانی لینے کی اجازت ہوگی:

مثلاً نئے مکان کی تعمیر یا قدرتی آفات سے ہونے والی تباہی کی صورت میں مرمت کی غرض سے پانی لینے کی اجازت ہوگی اور فوتگی کے موقع پر غسل وغیرہ کے لیے پانی کی فراہمی کی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

نیز ہمارا یہ تالاب اس پانی کا مالک ہوگا اور اس پانی کے ذریعے اپنے منتظمین کے اخراجات اجرت فیس کے عنوان سے پورا کرے گا، اس لیے اس کا پانی بیچا بھی جارہا ہے اور منتظمین کھاتے بھی جارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تالاب میں عوام کی نفع رسانی کا پہلو مغلوب اور شرائط کے شکنجے میں ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا مذکورہ بالا طریقہ کار شرعاً ناجائز ہے اور کسی ایک ضعیف قول سے بھی اس کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۸) کسی نے اپنی زمین وقف کرکے کہا کہ جو شخص اس زمین پر مکان بنا کر وقف کے حوالے کردے گا وہ ہمارے وقف کا موقوف علیہ ہوجائے گا اس شرط کے ساتھ کہ اس مکان کی آمدنی اور کرایہ ہمیں ملے گا اور مثلاً دو یا تین سال میں اگر یہ مر گیا تو ۲۰ لاکھ اس کے پسماندگان کو دیے جائیں گے اور اگر دو تین سال میں نہ مرا تو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ نیز واقف انتظام اور نگرانی کے نام سے مکان کی آمدنی اور کرایہ خود رکھے گا۔

اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کا وقف بھی جائز نہیں بلکہ محض پیسے کمانے کا ایک حیلہ ہے۔

(۱۹) اگر کسی نے ایک ایکڑ زمین وقف کرکے کہا کہ جو شخص میری اس موقوفہ زمین میں دس لاکھ کی دکان بنا کر ہمارے وقف کے حوالے کرے گا وہ ہمارے وقف کا موقوف علیہ ہوجائے گا اس شرط کے ساتھ کہ اس دکان کا کرایہ بھی وقف کو ملے گا۔ نیز اگر مثلاً دو تین سال میں آپ کا انتقال ہوگیا تو ایک دکان بنوانے کی صورت میں آپ کے ورثاء کو بیس لاکھ روپے دیے جائیں گے اور دو دکانیں بنانے کی صورت میں چالیس لاکھ روپے دیے جائیں گے لیکن اگر اس عرصے میں آپ فوت نہ ہوئے تو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ اس صورت میں بھی واقف نگرانی اور انتظام کے بہانے مارکیٹ کا کرایہ اجرت اور فیس کے نام سے خود کھائے گا۔

اس صورت کا حکم بھی مندرجہ بالا صورتوں کی طرح ناجائز ہے۔

معاوضہ کی صورتیں :

(۱) **بیع :** ''باہمی رضامندی سے مال کا تبادلہ مال سے کرنا''۔

حکم: اس میں بیعِ صحیح، جائز ہے اور منافع حلال ہیں، جبکہ بیعِ فاسد یا باطل بحکم سود، ناجائز اور واجب الرد ہیں، اور اس سے حاصل شدہ منافع مشتری یعنی خریدار کے لیے حرام ہیں۔

(۲) اجارہ : ''کسی چیز کے فائدوں کا عوض کے بدلے مالک بنانا''۔

حکم : اس میں اجارۂ صحیحہ جائز ہے اور جانبین کے لئے اجرت ومنفعت کا استعمال حلال ہے، اور اجارہ فاسدہ وباطلہ بحکم سود، ناجائز اور واجب الرد ہے۔

(۳) نکاح : ''ایسا معاملہ جو منافعِ بضع کی تملیک کے لیے وضع کیا گیا ہو''۔

حکم : اس میں نکاحِ صحیح جائز اور انتفاع حلال ہے، اور نکاحِ فاسد و باطل ناجائز اور انتفاع حرام ہے۔

(٤) رھن : ''کسی شے کو روک کر رکھنا ایسے حق کے بدلے میں جس حق کی وصولی اس روکی گئی چیز سے ہو سکے''۔

حکم : اگر بطورِ وثیقہ کسی چیز کو رہن رکھا جائے تو جائز ہے، لیکن اس سے انتفاع حاصل کرنا ناجائز اور سود ہے۔

(۵) خلع : ''ملکیتِ نکاح کے مقابلے میں عورت سے مال لے کر لفظ خلع سے اس کو جدا کرنا''۔

حکم : خلع اگر جانبین کی رضامندی سے ہو تو جائز اور نافذ ہے، اور اگر یکطرفہ ہے تو ناجائز اور غیر نافذ ہے۔

(٦) صلح بالمال : ''ایسا معاہدہ جو مال کے بدلے میں کسی چیز پر نزاع کو ختم کرنے کے لیے ہو''۔

حکم : اگر کسی عقدِ شرعی میں داخل ہے تو جائز اور نافذ ہے، ورنہ ناجائز اور حرام ہے، مثلاً کسی کا کسی پر دس ہزار روپے قرض ہو اور وہ بوجہ نزاع آٹھ ہزار پر صلح کرے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ کسی عقد میں داخل نہیں۔

(۷) ھبہ مشروط بالعوض : ''ایسا ہبہ جو کسی بدلے سے مشروط کیا گیا ہو''۔

حکم : چونکہ انتہاءً بیع ہے لہٰذا اگر صحتِ بیع کی شرائط اس میں پائی جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز اور بحکمِ سود ہے، جیسے کوئی کسی کو دس روپے ہبہ کرے اس شرط پر کہ اگلا آدمی پندرہ روپے ہبہ کرے گا تو یہ سود اور ناجائز ہے۔

(۸) **نذرِ مالی** : ''مال خرچ کرنے کی نذر ماننا''، یعنی التزام تصدق۔

حکم: اگر یہ جانبِ واحد سے ہے تو جائز اور نافذ ہے، اور اگر جانبین سے مشروط ہے تو یہ جبری احسان ہوگا، جس پر ثواب نہیں ملے گا۔

(۹) **عقد الموالات** ۔ (تعریف اور حکم ماقبل میں گزر چکا)۔

(۱۰) **سودی قرض**: ''سود کی بنیاد پر قرض لینا''۔

(۱۱) **تکافل و انشورنس** ۔

حکم: مؤخر الذکر نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

﴿تکافل کا ڈھانچہ﴾

﴿۱﴾ لغوی معنی و اصطلاحی معنی :

لغوی معنی: ''تکافل'' کفالۃ سے ہے اور کفالہ کا معنی ضمانت ہے یعنی کسی کا ضامن بننا، ''تکافل'' باب تفاعل سے ہے جس کا ایک خاصہ شرکت بھی ہے۔ اس خاصہ کے لحاظ سے اب تکافل کا معنی ہے ''باہم ایک دوسرے کا ضامن بننا''۔

اصطلاحی معنی : بقول حضرات مجوزین:

> ''تکافل'' ایک اسلامی انشورنس کا نظام ہے جو باہمی تعاون وتناصر اور تبرع کے اصول پر مبنی ہے، جہاں تمام شرکاء رسک کو شیئر کرتے ہیں اور اس طرح باہمی تعاون وتناصر کے طریقے سے شرکاء مقررہ اصول وضوابط کے تحت ممکنہ مالی اثرات سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ (تکافل کی شرعی حیثیت:۷۳)

﴿۲﴾ تکافل کا ڈھانچہ اور ماڈل :

''(۱) شروع میں چند حصہ دار مل کر ایک کمپنی بناتے ہیں جسے ''تکافل کمپنی'' یا ''اسلامی

انشورنس کمپنی'' کہا جاتا ہے۔(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۷۹)

(۲) (تکافل) کمپنی کے شیئر ہولڈرز (حصہ دار) کچھ رقم با قاعدہ وقف کریں گے اس رقم سے وقف پول (حوض) قائم کیا جائے گا یہ رقم وقف ہوگی، ان شیئر ہولڈرز کی حیثیت واقف کی ہوگی اور یہ رقم ہمیشہ فنڈ یا پول میں باقی رہے گی کیونکہ یہ اصل وقف ہے۔

(۳) یہ وقف پول (حوض) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہوگا ....اس کا ایک مستقل معنوی وجود ہوگا جو کہ شخصِ حقیقی کی طرح مالک اور مُملّک بنے گا (جس کا نام شخصِ قانونی ہے)۔

(۴) جو لوگ تکافل کی سہولت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ایک خاص مقدار میں فنڈ (شخص قانونی) کو حسبِ شرائط وقف نامہ چندہ دیں گے۔

(۵) چندہ مملوکِ وقف ہوگا اور وقف کے اغراض کے لیے صَرف ہوگا۔

(٦) وقف فنڈ کے منافع کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے ایک صورت ''چندہ'' ہے اور ایک صورت کاروبار یعنی مضاربہ بھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''شرکاء جو چندہ دیں گے وہ وقف نہیں ہوگا، بلکہ مملوکِ وقف ہوگا لہٰذا اس کو وقف کے اغراض کے لئے خرچ کرنا جائز ہوگا۔

مذکورہ فنڈ کو شرعی طریقے کے مطابق کاروبار میں لگایا جائے گا اور حاصل شدہ منافع کا مالک وقف فنڈ ہی ہوگا۔'' (تکافل کی شرعی حیثیت:۹۱)

(۷) فنڈ سے استفادہ کی شرائط طے ہوں گی۔

(۸) چندہ دینے اور استحقاق عن الوقف کے قواعد وضع کیے جائیں گے۔

(۹) چندہ دینے والے چونکہ موقوف علیہم میں داخل ہیں اس لیے ان پر فنڈ خرچ کیا جائے گا۔

(۱۰) فنڈ (شخصِ قانونی) چونکہ رقوم خواہ اصل ہوں یا منافع ہوں، کا مالک ہے اس لیے اس کو ہر طرح خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

(۱۱) تکافل کمپنی حق الخدمت ''وکالہ فیس'' اور ''مضاربہ شیئرز'' کے نام سے لے سکتی ہیں۔(ملخص از تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۱ تا ۹۲)

﴿۳﴾ تکافل میں وقف فنڈ کی حیثیت :

وقف فنڈ جس کو وقف پول اور وقف حوض کہا جاتا ہے، کی حیثیت شخصِ حقیقی کی طرح ہے اس لیے یہ مالک بھی بنتا ہے اور دوسروں کو مالک بھی بناتا ہے، وقف فنڈ (پول) کے اس معنوی اور قانونی وجود کو شخصِ قانونی کہتے ہیں۔

مجوزین حضرات نے وقف کی بنیاد پر تکافل کے جواز اور حصولِ مقاصد کے لیے شخصِ قانونی کے وجود کو ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

"یہ مقاصد اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ اس پول کا ایک معنوی اور قانونی وجود ہو جس کو "شخصِ قانونی" کہتے ہیں، یہ ایسا شخص ہو جو مالک بھی بنتا ہو اور مالک بناتا بھی ہو"۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹)

﴿٤﴾ تکافل میں چندہ دینے والوں کی حیثیت :

تکافل میں وقف پول کو جو چندہ دیتے ہیں وہ اس وقف کے موقوف علیہم ہیں اور اس وقف سے انتفاع کے مستحقین ہیں............ حضرات مجوزین نے چندہ دینے والوں کے استحقاق عن الوقف اور موقوف علیہم میں داخل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ مفتی عصمت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"(وقف) فنڈ سے شرکاء (چندہ دینے والوں) کو فوائد ملیں گے وہ ان کے تبرعات کی بنیاد پر نہیں بلکہ وہ "عطاء مستقل" ہوں گے یعنی اس لحاظ سے کہ وہ بھی "موقوف علیہم" (موقوف علیہ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر وقف کیا گیا ہو) میں داخل ہیں۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۱)

ایک جگہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں :

"اهلیت و استحقاق"

"تمام وہ لوگ جنہوں نے قواعد کے مطابق فنڈ کی ممبر شپ حاصل کی

ہے وہ فنڈ سے مستفید ہونے کے اہل ہیں''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

''جو اس وقف فنڈ کو چندہ دے کر اس کا رکن بنے گا وہ گویا کہ موقوف علیہ ہو جائے گا اب اس کو واقفین کی شرط کے مطابق وقف فنڈ سے فوائدِ مقررہ ملیں گے، ان فوائد کا اس کے چندے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ چونکہ وہ ممبر من جملہ موقوف علیہم میں داخل ہے اس لیے اس کو ملنے والے فوائد عطاء مستقل ہیں''۔(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۲۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اس وقف فنڈ کو چندہ دے کر اس کا رکن بنے گا وہ گویا کہ موقوف علیہ ہو جائے گا، اب اس کو واقفین کی شرط کے مطابق فنڈ سے فوائدِ مقررہ ملیں گے لان شرط الواقف کنص الشارع جس کو حضرت (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب) مدظلہم نے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ :**ما یحصل علیه المشترکون من التعویضات لیس عوضا عما تبرعوا به وانما هو عطاء مستقل من صندوق الوقف لدخولهم فی جملة الموقوف علیهم حسب شرائط الوقف.**

اس تفصیل سے درج ذیل باتیں واضح ہو گئیں:

(۱) شریکِ فنڈ کو فوائد شریک کے کسی شرط کی وجہ سے نہیں مل رہے ہیں بلکہ وہ فنڈ کو چندہ دے کر فنڈ کا رکن بن گیا، اب اس کو فوائد واقفین کی شرط کی وجہ سے من جملہ موقوف علیہم میں شامل ہو کر مل رہے ہیں لہٰذا اس کا ''عطاءِ مستقل'' ہونا بھی واضح ہو گیا جس کی وجہ سے یہ تبرع سے خارج نہیں ہوگا، اگرچہ چندہ دیتے وقت اور ممبر بنتے وقت اس کے دل یا ذہن میں اس فنڈ سے

استفادہ کی لالچ ہو یا یہ غرض پیشِ نظر ہو۔(تکافل کی شرعی حیثیت،ص:۱۲۵)

الحاصل! حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا مفتی عصمت اللہ صاحب مدظلہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ متصدقین (چندہ دینے والے) اس وقف کے موقوف علیہم ہیں اور اس وقف کے غلہ اور آمدنی سے فوائد حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔

﴿۵﴾ وقف فنڈ کی آمدنی کی صورتیں :

''وقف فنڈ اور پول'' کی آمدنی کی مجوزین حضرات نے آٹھ صورتیں بتائی ہیں :

(۱) چندہ

(۲) ری تکافل سے حاصل شدہ کلیمز (یعنی تکافل کمپنی نے آگے جس دوسرے تکافل کمپنی میں تکافل کی سہولت حاصل کی ہے، خسارہ اور نقصان کی صورت میں اس سے جو تلافیٔ نقصان کے لیے رقوم حاصل ہوئی ہیں وہ بھی آمدنی کی ایک صورت ہیں)۔

(۳) سرمایہ کاری سے حاصل شدہ منافع

(۴) کمپنیز اور آپریٹرز سے حاصل شدہ قرضِ حسنہ

(۵) کوئی عطیہ

(۶) کمیشن

(۷) سرپلس

(۸) گھر، گاڑی کا ملبہ وغیرہ

لکھتے ہیں :

فنڈ کی آمدنی اور اخراجات:

آمدنی :

(۱) شرکاءِ تکافل سے وصول شدہ زرِ تعاون (یعنی چندہ)۔

(۲) ری تکافل آپریٹرز سے حاصل شدہ کلمیز ۔

(۳) فنڈز کی سرمایہ کاری سے حاصل شدہ نفع۔

(۴) پول کے فنڈ میں خسارے کی صورت میں وکیل (تکافل کمپنی) سے حاصل شدہ قرضِ حسنہ۔

(۵) اس فنڈ میں دیا جانے والا کوئی بھی عطیہ۔

(۶) ری تکافل آپریٹر سے حاصل شدہ کمیشن۔

(۷) ری تکافل آپریٹر سے حاصل شدہ سرپلس (اگر کوئی ہو)۔

(اس کو عربی میں ''فائض'' کہتے ہیں، اس کا تعین ہر سال کم از کم ایک دفعہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سال کے اختتام پر یہ دیکھنا ہوگا کہ فنڈ میں تمام ادائیگیوں کے بعد بھی بچت ہے یا نقصان۔ بچت کو ''سرپلس'' کہتے ہیں۔)

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۰۳)

(۸) تباہ شدہ گاڑی یا گھر وغیرہ کا ملبہ۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۲)

تنبیه : زرِتعاون یعنی چندہ کا مفہوم ان کے ہاں وہ ہے جو کہ قرض کی طرح لازم ہو، لکھتے ہیں :

سوال : ممبر اگر فنڈ کو چندہ نہ دیں تو اس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب : جی ہاں! کیونکہ التزام کے نتیجے میں اس پر ادائیگی ضروری ہے لیکن اگر وہ مزید چندہ نہیں دیتا تو اس کی ممبر شپ ختم کی جا سکتی ہے۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۲۳)

﴿۶﴾ تکافل کمپنی، واقفین، آپریٹرز کی آمدنی کی صورتیں :

کمپنی کے ''خرما'' اور نفع کی صورتیں مختلف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) وکالہ فیس۔

(۲) مضاربہ شیئر۔

(۳) حسن کارکردگی کی وجہ سے مزید رقم وکالہ فیس کے علاوہ ملنا۔

لکھتے ہیں :

اس (وکالہ ماڈل) میں آپریٹر کو ''وکالہ فیس'' کے علاوہ حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر کچھ مزید رقم بھی ملتی ہے جس کو ''Incentive'' بولتے ہیں، پاک قطر فیملی تکافل کمپنی کا PIA یعنی (Participant Investment Amount) فی الحال اسی ماڈل وکالہ پر مبنی ہے۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۳)

(۴) دیگر حقوق جو بنتے ہوں، چنانچہ لکھتے ہیں :

آپریٹر کے حقوق :

(۱) آپریٹر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ''وکالہ فیس'' وصول کرے۔

(۲) مذکورہ فیس چندوں سے لی جائے گی جس کی تعیین میں شریعہ بورڈ سے مشاورت ضروری ہے۔

(۳) آپریٹر چونکہ مضارب بھی ہے اس لیے وہ مضاربہ کے نفع میں سے متعین حصہ وصول کرے گا۔

(۴) ان کے علاوہ بھی دیگر حقوق جو شریعت کے مطابق بنتے ہوں وہ آپریٹر کو لینے کا حق حاصل ہوگا۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۱)

﴿۷﴾ وقف کے تحقق اور وجود کے لیے ناگزیر امور :

حضرات مجوزین کے نزدیک بھی وقف کے تحقق اور وجود کے لیے درج ذیل چار امور ضروری ہیں، چنانچہ مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

''خلاصہ یہ کہ تکافل ماڈل میں درج ذیل خصوصیات پائی جائیں اور درج ذیل مقاصد حاصل ہوں:

(۱) چندہ دہندگان کا چندہ دینا، کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہو۔

(۲) پول کا کوریج مستقل عطیہ کی حیثیت سے ہو یعنی وہ کسی سابقہ عقد کا نتیجہ نہ ہو۔

(۳) چندہ کی ملکیت شرکاء کی ملکیت سے خارج ہو۔

(۴) پول اس چندہ کا مالک ہو، کیوں کہ **خروج الشئ لا الی الملک** درست نہیں یعنی یہ کہ ایک شیء کسی کی ملکیت سے نکل جائے اور کوئی دوسرا اس کا مالک نہ بنے۔

ان خصوصیات پر مشتمل ماڈل نہ عقدِ معاوضہ بنے گا، نہ اس میں زکوٰۃ اور میراث کے مسائل پیدا ہوں گے۔

یہ مقاصد اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ اس پول کا ایک معنوی اور قانونی وجود ہو، جس کو ''شخصِ قانونی'' کہتے ہیں یہ ایسا شخص ہو جو مالک بھی بنتا ہو اور مالک بناتا بھی ہو (چنانچہ جو تکافلات محض تبرعات پر مبنی ہیں ان کا کوئی مستقل قانونی وجود نہیں) اور وہ اساس اور بنیاد صرف ''وقف'' ہے لہٰذا پول وقف پر مبنی ہونا چاہیے، کیونکہ وقف ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا الگ وجود شریعت بھی مانتی ہے اور قانون بھی مانتا ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹،۹۰)

تنبیہ : اس پر تفریعات آگے عدمِ جواز کی تفصیلی وجوہ کی ضمن میں آ رہی ہیں۔

﴿۸﴾ تکافل کی اقسام : مجوزین تکافل لکھتے ہیں:

مروجہ انشورنس کی طرح تکافل کی بھی دو بڑی قسمیں ہیں :

(۱) جنرل تکافل (۲) فیملی تکافل

(۱) جنرل تکافل : جنرل تکافل میں اثاثہ جات یعنی جہاز، موٹر اور مکان وغیرہ کے ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لیے تکافل کی رکنیت فراہم کی جاتی ہے، اگر اس اثاثہ کو جس کے لیے تکافل کی رکنیت حاصل کی گئی، کوئی حادثہ لاحق ہو جائے تو اس نقصان کی تلافی وقف فنڈ سے کی جاتی ہے۔............

جنرل انشورنس کی طرح، جنرل تکافل کی بھی مختلف قسم کی پالیسیاں ہوتی ہیں۔

(۲) فیملی تکافل: لائف انشورنس کو تکافل سسٹم میں فیملی تکافل کے نام سے جانا جاتا ہے۔

فیملی تکافل کی پھر دو قسمیں ہیں:

(۱) گروپ فیملی تکافل: گروپ انشورنس کی طرح اس میں کسی ادارے کے ملازمین کو ''کور'' کیا جاتا ہے۔

(۲) انفرادی فیملی تکافل: یہ عام انشورنس کی طرح ہے جس میں ہر فرد خود Participant ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس میں اس کا ادارہ ملوث نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک فرد (Person) کی حیثیت سے یہ پالیسی اختیار کرتا ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت :۹۹ تا ۱۰۲)

﴿۹﴾ کیا پالیسی کی مدت ختم ہونے کے بعد اصل رقم واپس ملتی ہے؟

تکافل میں اگر پالیسی کی مدت میں نقصان ہوا تو جمع شدہ رقم سے زیادہ رقم واپس مل جاتی ہے، اور اگر نقصان نہ ہوا تو بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ جمع شدہ رقم واپس مل جاتی ہے، مگر یہ بات درست نہیں، خود مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ وقف فنڈ میں رقم جمع ہونے کے بعد وہ ممبر کو واپس نہیں ملے گی، کیونکہ وقف فنڈ اس کا مالک ہو گیا، خواہ ممبر خود پالیسی ختم کرے یا کمپنی ختم کرے، البتہ اس کو فوائد میں سے کچھ دینے کی گنجائش ہے۔'' (تکافل کی شرعی حیثیت:۱۰۴)

﴿۱۰﴾ مختلف ماڈلز کا خلاصہ:

ماڈل نمبر (۱): مضاربہ ماڈل

اس ماڈل میں سرپلس شرکاء اور کمپنی کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے اس میں آپریٹر وکالہ فیس نہیں لیتا صرف مضاربہ شیئرز لیتا ہے جس میں عموماً وکالہ ماڈل کے مقابلے

میں مضارب کا حصہ نفع زیادہ ہوتا ہے، اس ماڈل میں کمپنی یا آپریٹر کی حیثیت مضارب کی ہوتی ہے اور پول کی حیثیت رب المال کی ہوتی ہے لہٰذا نفع دونوں میں (Predefined Ratio) کے مطابق تقسیم ہوگا، اس ماڈل میں سرپلس میں سے کمپنی کو بھی حصہ ملے گا جبکہ وقف ماڈل میں نہیں ملتا، باقی کلیمز اور کوریجز تکافل فنڈ سے ادا کیے جاتے ہیں جس کی تفصیل مذکور ہوئی۔ (تکافل کی شرعی حیثیت:۹۲)

ماڈل نمبر (۲) : وکالہ ماڈل

اس میں آپریٹر شرکاء کا صرف وکیل ہوتا ہے اور صرف وکالہ فیس لیتا ہے، آپریٹر کا فنڈ کے نفع یا نقصان یا انڈر رائٹنگ ریزلٹس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اس میں آپریٹر کو وکالہ فیس کے علاوہ حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر کچھ مزید رقم بھی ملتی ہے جس کو ''Incentive'' بولتے ہیں۔ پاک قطر فیملی تکافل کمپنی کا PIA(Participant Investment Amout) فی الحال اسی ماڈل وکالہ پر مبنی ہے اور وکالہ شرعی اصولوں کے مطابق کام کرتی ہے، جسے وکالة الاستثمار کہتے ہیں اور اس کے شرعی اصول تقریباً وہی ہیں جو مختلف Islamic investment Funds کے ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ اس ماڈل میں بھی کمپنی کو سرپلس میں سے کچھ لینے کا حق حاصل نہیں۔

(تکافل کی شرعی حیثیت : ۹۳)

ماڈل نمبر (۳) : مضاربہ + وکالہ ماڈل

اس میں آپریٹر وکیل بھی ہوتا ہے اور مضارب بھی لہٰذا وکالہ کی بنیاد پر اس کو وکالہ فیس ملتی ہے اور مضاربہ کی وجہ سے اس کو مضاربہ شیئر ملتا ہے اس ماڈل میں یاد رکھنا چاہیے کہ وکالہ فیس کا نفع سے کوئی تعلق نہیں وہ بہر حال کمپنی کو ملے گی، البتہ مضاربہ شیئر صرف نفع کی صورت میں ملے گا اور اس کی تفصیل وہی ہے جو ماڈل پلس وقف میں گزری۔ اکثر تکافل کمپنیوں میں PTF یعنی Particiant Takaful Fund مضاربہ اور وکالہ دونوں بنیادوں پر استوار ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت :۹۳)

تبصرہ

بطور تمہید یہ بات سمجھ لیں کہ وقف فنڈ کی حیثیت شخص قانونی کی ہے، کیونکہ جب تک اس کو شخص قانونی تسلیم نہیں کریں گے اس وقت تک وہ فوائد جو وقف سے مقصود ہیں، حاصل نہیں ہونگے۔ مفتی عصمت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یہ مقاصد اس وقت حاصل ہوسکتے ہیں جبکہ پول کا ایک معنوی اور قانونی وجود (Legal Entity) ہو جس کو شخص قانونی کہتے ہیں، یہ ایسا شخص ہو جو مالک بھی بنتا ہو اور مالک بناتا بھی ہو''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت:۸۹)

اور آپریٹر یعنی تکافل کمپنی کی حیثیت بھی شخص قانونی کی ہے۔ صاحبزادہ مولانا عمران اشرف عثمانی صاحب شرکت اور کمپنی میں فرق کے عنوان کے تحت ایک جگہ لکھتے ہیں:

کمپنی خود ایک شخص قانونی ہے، اس کا الگ وجود ہے، اور حصہ داران کا الگ وجود ہے۔ (شرکت ومضاربت عصر حاضر میں:۳۱۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

کمپنی کا الگ سے قانونی وجود ہوتا ہے، جس کو شخص قانونی کہا جاتا ہے۔

(حوالہ بالا:۳۱۲)

وکالہ ماڈل پر اشکال: کمپنی اور وقف فنڈ کی مندرجہ بالا بیان کی گئی حیثیت کے مطابق یہاں موکل بھی شخص قانونی ہے اور وکیل بھی، اور دونوں اپنے اپنے تصرفات میں ذی روح کے محتاج ہیں۔ وقف فنڈ کا شخص قانونی موکل بنا اور کمپنی کا شخص قانونی تصرفات کا وکیل بنا، اس لئے اس کو وکالہ فیس اور اجرت بھی مل رہی ہے، تو سوال یہ ہے کہ جب فنڈ کا شخص قانونی خود تصرفات نہیں کرسکتا اور اس کو وکیل بنانے کی ضرورت ہے، تو کمپنی بھی تو اسی طرح کا بے دست و پا شخص قانونی ہے، کمپنی کیسے اس کا وکیل بنا؟ اس کو بھی کسی اور وکیل کی ضرورت ہوگی، پھر وہ وکیل بھی یا تو شخص قانونی ہوگا یا ذی روح، اگر شخص قانونی ہوتو پھر اس کو خود وکیل کی ضرورت ہوگی، اور یوں تسلسل لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔ اور اگر کمپنی کا وہ وکیل ذی روح ہوتو پہلے ہی

سے فنڈ کا وکیل کسی ذی روح کو بنا لیتے، یہ کمپنی کا بت تراشنے کی کیا ضرورت تھی؟

مضاربہ ماڈل پر اشکال: مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق وقف فنڈ کا شخصِ قانونی رب المال اور کمپنی کا شخصِ قانونی مضارب ہے اس پر سوال یہ ہے کہ مضارب کے لیے ضروری ہے کہ کاروبار کا ہنر اس کے پاس ہو تو یہاں ان دونوں شخصِ قانونی میں کس دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ وقف فنڈ کا شخصِ قانونی تو کاروبار سے بالکل نابلد اور اجہل ہے جبکہ کمپنی کا شخصِ قانونی ماشاء اللہ MBA کیے ہوئے اور کاروبار کا ماہر ہے اس لیے اس کو مضارب مانا گیا۔ اگر فرق کی دلیل نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے تو جس طرح کمپنی کا شخصِ قانونی اس مال سے آگے تجارت کر سکتا ہے تو وقف کا شخصِ قانونی خود کیوں نہیں کر سکتا، وہ خود کاروبار کرے تاکہ وکالہ فیس اور مضاربہ شیئرز وغیرہ وغیرہ اخراجات سے بچا جا سکے اور وقف فنڈ کے اخراجات کچھ نہ ہوں تاکہ نفع زیادہ سے زیادہ حاصل ہو اور موقوف علیہم بے چارے متضررین اور متصدقین کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے اور واقفین کو اللہ تعالیٰ کے ہاں خوب خوب اجر مل جائے۔

وکالہ +مضاربہ ماڈل پر اشکال:

(۱) اس ماڈل میں کمپنی اور آپریٹر وکیلِ فنڈ بھی ہے اور اس کا مضارب بھی لہٰذا اس میں اجارہ اور مضاربہ دو عقد جمع ہوئے، جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا: **"لا یحل صفقتان فی صفقة واحدة"** اور حدیث میں ہے **"نھی رسول اللہ ﷺ عن صفقتین فی صفقة"**. نیز اس صورت میں کمپنی شخصِ قانونی دو طرفہ وکیل بھی ہے اور رب المال اور مضارب بھی ہے، کیونکہ مضارب بھی رب المال کا وکیل ہوتا ہے تو کمپنی وقف فنڈ کا وکیل بن کر رب المال بن گئی اور اپنے ساتھ عقدِ مضاربت کر کے مضارب بھی بن گئی اور مضارب کے بارے میں تصریح ہے کہ **"وبالتصرف وکیل"** تو وکیل بھی بن گئی لہٰذا مجوزین کے ذمہ ان تمام باتوں کا جواز اور شخصِ قانونی کی یہ قوت کہ وہ دوسرے شخصِ قانونی کی طرف سے وکیل بنے اور اپنی طرف سے اصیل بنے، دلائلِ شرعیہ سے ثابت کرنا لازم ہے۔

(۲) کمپنی اور واقفین کے مزے ہیں، وکالہ فیس اور حسنِ کارکردگی کے نام سے لاکھوں کی

تنخواہیں اور دیگر رہائشی وسفری اعلیٰ سہولتیں چندہ سے حاصل کر رہے ہیں، جبکہ اتفاقی وقف (مدارس، رفاہی ادارے اور ہسپتال وغیرہ) کے منتظمین نے آج تک ان کا تصور بھی نہیں کیا، اگر ان اداروں کے متولی اور نگران حضرات تکافل آپریٹرز کی طرح تنخواہیں اور سہولتیں لینے لگیں کہ جس طرح تکافل آپریٹرز کو خوب بڑی تنخواہیں وکالہ فیس کے نام سے ضرور ملتی ہیں خواہ دوسروں کے نقصانات کی تلافی کے لیے پیسہ ہو یا نہ ہو، اسی طرح مدارس میں طلبہ ہوں یا نہ ہوں، رفاہی ادارے عوام کی صحیح خدمت کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں اور ان پر صحیح طریقے سے خرچ ہو یا نہ ہو منتظمین کو ہر حال میں لاکھوں کی تنخواہ اور دیگر اعلیٰ سہولتیں ملتی رہیں تو سب ان پر اعتراض کریں گے۔

وکالہ ماڈل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

''اس میں آپریٹر شرکاء کا صرف وکیل ہوتا ہے اور صرف وکالہ فیس لیتا ہے آپریٹر کا فنڈ کے نفع یا نقصان یا انڈر رائیٹنگ رزلٹس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۳)

اس تحریر میں آپریٹر یعنی کمپنی جو شخصِ قانونی ہے، کو شرکاء یعنی چندہ دینے والوں کا وکیل کہا گیا ہے، حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے اور اصل حقیقت کو چھپایا گیا ہے کیونکہ چندہ تو چندہ دینے والوں کی ملک سے ان مجوزین کی اپنی تصریحات کے مطابق نکل جاتا ہے اور وقف فنڈ یعنی شخصِ قانونی اس کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ شخصِ قانونی اس چندے میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار رکھتا ہے لہٰذا یہ آپریٹر شرکاء یعنی چندہ دینے والوں کا نہیں بلکہ وقف فنڈ جو شخصِ قانونی ہے، کا وکیل ہے۔

اور مضاربہ + وکالہ ماڈل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

اس ماڈل میں یاد رکھنا چاہیے کہ وکالہ فیس کا نفع سے کوئی تعلق نہیں وہ بہرحال کمپنی کو ملے گی۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۳)

''آپریٹر کی ذمہ داریاں'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

۷۔ آپریٹر اس بات پر راضی ہے کہ وہ فنڈ کو آپریٹ کرے گا اور اس پر وکالہ

فیس وصول کرے گا جو شریعہ بورڈ کے مشورے سے طے کی جائے گی۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۱۰)

مجوزین حضرات نے تکافل کمپنی کو غیر منقولہ جائیداد کے وقف کا مشورہ دیا ہے کہ اس طرح وقف اتفاقی ہو جائے گا، چنانچہ مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

ہاں! اس میں شک نہیں کہ احتیاط کا تقاضا ہر مسئلہ میں یہی ہے کہ اس قول کو لیا جائے جو متفق علیہ ہو، تا کہ اس میں تمام مذاہب اور تمام مواقف کی رعایت رہے لہٰذا اگر تکافل کمپنیاں وقف کو نقود کے بجائے کسی غیر منقولہ جائیداد کی شکل میں بنائے تو اس کے بہتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۳۰)

اس مشورہ کے پیشِ نظر مدارس، ہسپتال اور مسافر خانوں وغیرہ رفاہی اداروں کے منتظمین اور مہتمم حضرات کو خوب مال کمانے کی رخصت مل گئی گویا تکافل کمپنی کی طرح یہ مدارس وغیرہ سرمایہ کاری وسرمایہ داری کی بہترین فیکٹریاں ہیں۔

﴿مروج تکافل کی بنیادیں اور ان پر تبصرہ﴾

مروجہ تکافل جو ''پاک قطر تکافل اور داؤ دفیملی تکافل'' وغیرہ ناموں سے مشہور ہے، اس کے جواز کی تین بنیادیں بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں یہ بنیادیں اور ان کی حقیقت پیشِ خدمت ہے۔

(۱) ہبہ بشرطِ العوض (۲) التزامِ تبرع (۳) وقف

بنیاد نمبر (۱) ہبہ بشرط العوض : ''اسلامی بیمہ اور تکافل ہبہ بشرط العوض ہے۔

ہبہ بشرط العوض کا مطلب یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا یہ کہہ دے کہ میں ہبہ دے رہا ہوں بشرطیکہ مجھے اس کا بدلہ ملے، مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے کہہ دے کہ میں آپ کو یہ گھڑی

تحفہ میں دے رہا ہوں، بشرطیکہ آپ مجھے قلم دیں گے۔

بعض علمائے کرام نے تکافل کے مذکورہ ڈھانچہ کی بنیاد ''ہبہ بشرط العوض'' پر رکھی ہے، یعنی شرکاء حوض کو چندہ دیتے ہیں گویا کہ یہ ان کی طرف سے حوض کو ہبہ ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ حوض بوقتِ ضرورت شرائطِ مقررہ کے مطابق ان کو پیش آمدہ حادثے میں نقصان کی تلافی دے گا۔

تبصرہ : ہبہ بشرط العوض بحکمِ بیع ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ گویا تکافل ہولڈر تکافل پالیسی خرید رہا ہے، جب یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی بیع اور عقد معاوضہ ہے، اور عقد معاوضہ کی صورت میں اس معاملے کا سود، قمار اور غرر میں داخل ہونا متفق علیہ ہے، لہٰذا اس مستدل کو اس معاملے کے جواز کے لیے پیش کرنا درست نہ ہوا۔

خود مجوزین حضرات نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے۔ مولانا عصمت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہماری رائے میں مذکورہ تکافل ماڈل کی بنیاد مشروط ہبہ نہیں بن سکتی کیونکہ فقہاءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ ہبہ بشرط العوض بیع کے حکم میں ہے اور اس پر بیع کے احکام جاری ہوں گے، جیسا کہ البحر الرائق کی مندرجہ ذیل عبارت میں اس کی تصریح ہے:

فی البحر الرائق : ۷/۵۰۲ :

> **و الهبة بشرط العوض هبة ابتداء فيشترط فيها التقابض فی العوضين و تبطل بالشيوع، بيع انتهاء فترد بالعيب و خيار الرؤية و تؤخذ بالشفعة .(حنفی، كذا فی المبسوط للسرخسی ۱۰۱/۱۲ ،وحاشية ابن عابدين ۷۰۵/۵،۷۰۶)**

ترجمہ : حنفی فقہ کی کتاب کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ ہبہ بشرط العوض ابتداءً ہبہ ہے لہٰذا اس میں تقابض فی العوضین شرط ہے (یعنی دونوں جانب سے

قبضہ ضروری ہے، کیونکہ ہبہ مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر ہو چکا) اور شیوع (غیر منقسم) سے باطل ہوگا اور انتہاءً بیع ہے، لہٰذا اس میں خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت مؤثر ہوگا اور اس سے شفعہ (شفعہ مشہور اصطلاح ہے جسے قانون بھی استعمال کرتا ہے) بھی ثابت ہوگا۔

اور المواہب الجلیل میں لکھا ہے :

”(وجاز شرط الثواب) یعنی ان الهبة تجوز بشرط الثواب و سواء عيّن الواهب الثواب الذی يريد أم لا اما اذا عينه فقالوا انها جائزة و هی حينئذ من البيوع قال فی التوضيح كما لو قال اهبها لک بمائة دينار و يشترط فی ذلک شروط البيع“. انتهیٰ.

(المواهب الجليل، مالكی ٦/٦٢)

ترجمہ: مالکی فقہ کی مشہور کتاب المواہب الجلیل میں لکھا ہے کہ ثواب کی شرط لگانا ہبہ میں درست ہے، البتہ اگر ثواب کی تعیین کر دے تو اس صورت میں جائز تو ہے لیکن یہ بیوعات (بیع کی جمع) میں سے ہو جائے گا اس کی توضیح میں ایک مثال یہ ذکر کی ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شخص نے کسی سے یہ کہا: کہ یہ چیز میں تمہیں سو دینار میں ہبہ کرتا ہوں، تو اس میں بیوع کی شرائط ملحوظ ہوں گی۔

و لو وهب شخصا شيأ بشرط ثواب معلوم عليه كو هبتک هذا علی ان تثيبنی كذا فالا ظهر صحة هذا العقد نظراً للمعنی فانه معاوضة بمال معلوم فصح كما لو قال بعتک . والثانی : بطلانه نظراً الی اللفظ لتنا قضه فان لفظ الهبة يقتضی التبرع ويكون بيعا علی الصحيح نظرا الی المعنی فعلی هذا تثبت فيه احكام البيع الخ. (مغنی المحتاج شافعی، ۲/۴۰۴)

ترجمہ : اگر کسی شخص نے کسی کو معلوم عوض کے بدلہ کوئی چیز ہبہ کی، مثلاً یہ

کہا کہ ''میں نے یہ چیز تمہیں اس شرط کے ساتھ ہبہ کی کہ تم مجھے فلاں چیز دو گے'' تو معنی کی وجہ سے یہ عقد بظاہر درست ہے کیونکہ یہ عقد ایک معلوم معاوضہ کے عوض عقدِ معاوضہ ہے لہٰذا درست ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ یہ چیز میں نے تمہیں اس شرط پر فروخت کی کہ تم مجھے فلاں چیز فروخت کرو گے اور باعتبار لفظ کے یہ باطل ہے کیونکہ ہبہ اور بیع میں تناقض ہے اس لیے کہ لفظ ہبہ تو تبرع کو مقتضی ہے البتہ صحیح مذہب کے مطابق چونکہ معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے لہٰذا اس پر بیع کے احکام لاگو ہوں گے''۔

شافعی فقہ کی مشہور کتاب کی مذکورہ عبارت کا بھی وہی حاصل ہے کہ مشروط ہبہ بیع کے حکم میں ہے اور ''کشف القناع'' میں مذکور ہے:

و ان شرط الواهب فيها اى الهبة عوضاً معلوماً صارت الهبة بيعاً الخ. (كشف القناع، حنبلى، ۴/۳۰)

ترجمہ : اگر واہب نے ہبہ میں عوضِ معلوم کی شرط لگائی تو یہ ہبہ بیع بن جائے گا۔

حنبلی فقہ کی کتاب ''کشف القناع'' کا حاصل بھی وہی ہے یعنی ہبہ بالشرط بیع کے حکم میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ چاروں مذاہب سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہبہ بشرط العوض بیع کے حکم میں ہے لہٰذا اگر مذکورہ ماڈل کی تکییف ''مشروط ہبہ'' یا ''ہبہ بشرط العوض'' یا ''ہبۃ الثواب'' پر مبنی ہے تو اس صورت میں درج ذیل شرعی خرابیاں پیدا ہوں گی۔

(۱) تکافل عقد تبرع نہیں رہا بلکہ مروجہ بیمہ کی طرح عقدِ معاوضہ بن گیا لہٰذا اس میں غرر مؤثر اور مضر ہوگا۔

نیز اس صورت میں اگر ممبر یا شریک چندہ نقد کی شکل میں دے اور اس کو

کو ریج بھی نقد کی شکل میں مل جائے تو اس میں برابری ضروری ہوگی ورنہ کمی بیشی کی صورت میں ''ربا الفضل'' لازم آجائے گا۔

(۲) ہبہ بشرط العوض اس وقت درست ہے جبکہ عوض معلوم ہو جبکہ تکافل میں دیا جانے والا عوض معلوم نہیں ہوتا لہٰذا یہ بھی بہت بڑی خرابی اور شرعی مفسدہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس تکییف کی صورت میں تکافل اور مروجہ بیمہ میں کوئی بنیادی فرق نہیں رہے گا''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت ص: ۸۲ تا ۸۵)

بنیاد نمبر (۲) التزامِ تبرع:

بعض نے اسلامی بیمہ اور تکافل کی بنیاد التزام تبرع کو قرار دیا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شرکاء حوض میں چندہ دینا اپنے اوپر لازم کرتے ہیں اور حوض اس کے نقصان کی تلافی اپنے اوپر لازم کرتا ہے، گویا جانبین سے التزام ہے۔

تبصرہ : فقہ کا مشہور قاعدہ ہے ''العبرة للمعانی'' کہ اعتبار الفاظ کا نہیں، بلکہ معانی کا ہے، اگرچہ اس مستدل میں الفاظ التزام تبرع کے استعمال ہوئے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ عقدِ بیع اور عقد معاوضہ ہے جس کے سود، قمار اور غرر ہونے پر اتفاق ہے، لہٰذا یہ مستدل بھی سقیم اور نا قابلِ استدلال ہے۔

نیز یہ التزامِ تبرع نذر ہے اور نذر غنی کے لیے جائز نہیں، جبکہ یہاں اغنیاء کو دیا جاتا ہے۔

اسی طرح نذر میں تعیینِ فقیر کی شرط لازم نہیں، لہٰذا تعیین کے باوجود کسی دوسرے فقیر کو دینا جائز ہے، اور ناذر کو کسی متعین فقیر کو دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ جبکہ تکافل میں اس متعین فرد (یعنی چندہ دینے والے) کو دینا لازم ہے۔

خود مجوزین حضرات نے بھی اس مستدل کو رد فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہ (التزام تبرع) فقہی تکییف ''ہبۃ الثواب'' کے مقابلہ میں اچھی ہے لیکن یہ اس وقت اچھی ہوتی جبکہ اس میں التزام ایک جانب سے ہوتا، لیکن

یہاں تو التزام دونوں جانبوں سے ہے یعنی چندہ دہندگان کی طرف سے بھی التزام ہے اور پول کی طرف سے بھی التزام ہے، لہٰذا یہ صورت بھی نتیجے کے اعتبار سے ''ہبۃ الثواب'' ہی کی ہوئی جو بحکمِ بیع ہے، لہٰذا یہ تخریج (توجیہ) بھی شرعاً درست نہیں۔

تبرع کی صورت میں مزید مشکلات

تبرع کی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ چندہ دہندگان نے پول کو چندہ دیا تو پول تو اس کا مالک نہیں ہوا، کیونکہ ہبہ یا تبرع کی صورت میں پول کا کوئی الگ سے قانونی یا شرعی وجود نہیں، کیونکہ اس صورت میں پول یا فنڈ نہ شخصِ حقیقی ہے اور نہ شخصِ قانونی اور جب وہ قانونی شخص نہیں اور نہ ہی حقیقی شخص ہے تو وہ کس طرح مالک بنے گا؟ لہٰذا اس چندہ کی زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہونی چاہیے کیونکہ وہ اس کا اب بھی مالک ہے، اس میں اس نظریہ کے قائل علماءِ کرام مختلف رائے رکھتے ہیں، بعض زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔

نیز اگر تبرع کرنے والے (چندہ دہندہ) کا انتقال ہو گیا تو اس کا دیا ہوا پیسہ اس کی میراث میں شمار ہونا چاہیے حالانکہ تکافل کے موجودہ نظام میں میراث کے احکام لاگو کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس تکییف کی صورت میں درج ذیل شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱) اس صورت میں تکافل بھی مروجہ بیمہ کی طرح عقد معاوضہ بن جائے گا اور غرر وربا جیسے مفاسد اس میں مؤثر ہو جائیں گے۔

(۲) چندہ کی رقم چندہ دہندہ کی ملکیت سے نہ نکلنے کی وجہ سے شرعی ضابطہ کے مطابق اسکی زکوٰۃ چندہ دہندہ پر واجب ہونی چاہیے۔

(۳) چندہ دہندہ کے انتقال کی صورت میں دیا ہوا پیسہ اس کے ترکہ میں شمار ہونا چاہیے۔

(۴) نیز جب پول کا احسان چندہ دہندہ کے احسان کے ساتھ مشروط ہے اور دونوں پر اپنا اپنا احسان لازم ہے تو یہ ''جبر فی التبرع'' ہو گیا یعنی زبردستی کا احسان جس کا باطل ہونا ظاہر ہے چنانچہ زیادہ تر لوگوں کو تکافل کے بارے میں یہی اشکال رہتا ہے اس کے علاوہ بھی تبرع کی صورت میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں جن کا جواب اور حل کوئی آسان کام نہیں''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت ص :۸۷،۸۸)

بنیاد نمبر (۳) وقف:

کہا جاتا ہے کہ تکافل کے جواز کی بنیاد ''وقف فنڈ'' ہے جیسے مدارسِ اسلامیہ اور دوسرے رفاہی کام کرنے والے اوقاف کو عام لوگ چندہ دیتے ہیں، اسی طرح پالیسی ہولڈرز ''وقف فنڈ'' کو چندہ دیتے ہیں، جب مدارس کا یہ چندہ جائز ہے تو تکافل میں ''وقف فنڈ'' کو چندہ دینا بھی جائز ہوگا۔ اور ان کے ساتھ وقف فنڈ کا تعاون بھی جائز ہوگا، اور چندہ دینے والوں کا وقف فنڈ سے انتفاع بھی جائز ہوگا، جیسے مدارس وغیرہ سے چندہ دینے والوں کا انتفاع جائز ہے۔

تبصرہ: تکافل کو مدارس وغیرہ رفاہی اداروں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ مدارس اور تکافل کے چندہ میں زمین و آسمان کا جو فرق ہے وہ کسی ذی فہم پر مخفی نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ مسلمان مدارس وغیرہ وقف اداروں کو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے چندہ دیتے ہیں نہ کہ مالی منفعت کے لیے، کہ کل یہ مدارس وغیرہ اس چندہ کی رقم کے عوض اور بدلہ میں مجھے بہت ساری رقم دیں گے، جبکہ تکافل کمپنی میں ''وقف فنڈ'' کو چندہ دینے والے مالی منفعت کی نیت سے دیتے ہیں کہ مستقبل میں یہ چندہ بہت بڑی رقم کھینچ کر مجھے دلائے گا۔

چنانچہ مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

''جب کوئی شخص پریمیم جمع کراتا ہے تو اس نیت سے کراتا ہے کہ بوقتِ

نقصان زیادہ ملے گا اور اس زیادت کے لیے وہ کمپنی کو مجبور بھی کر سکتا ہے"(تکافل کی شرعی حیثیت،ص:۱۴۰)

یہی وجہ ہے کہ مدارس کے ذمہ داران چندہ دینے کی ترغیب میں یہ نہیں کہتے کہ آج چندہ دو اور کل کئی گنا رقم کی صورت میں واپس لو بلکہ یہ ترغیب دیتے ہیں کہ آج دو اور کل قیامت میں اللہ تعالیٰ سے خوشنودی اور جنت کی صورت میں لو، جبکہ تکافل کا پیغام پہنچانے والے یہ ترغیب دیتے ہیں کہ آج قلیل رقم دو،..........کل کثیر رقم لو۔

لہٰذا تکافل کو مدارس پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق اور مردود ہے۔

نیت اور قصد کے اس واضح فرق کے بعد یاد رکھیے کہ "نام" سے حقیقت نہیں بدلتی، پولیس کا رشوت کو چائے پانی کہنے سے اور کسی افسر سے دنیاوی کام نکالنے کی لالچ میں رشوت کو ہدیہ اور تحفہ کہنے سے، اور شادی بیاہ کے موقع پر قرض (بنام نیوتہ) کو باہمی تعاون وامداد کا نام دینے سے یہ اشیاء نہ جائز ہوں گی اور نہ ہی یہ رقم رشوت اور قرض سے نکلے گی بلکہ ان ناموں کے باوجود بھی یہ رقوم رشوت اور قرض ہوں گی، جیسے گدھے کو اگر کوئی بکرا کہے تو وہ حلال نہ ہوگا بلکہ نام کی تبدیلی کے باوجود گدھا، گدھا اور حرام ہی رہے گا، جب تک نمک کی کان میں اپنی حقیقت سے دستبردار ہو کر نمک نہ بن جائے۔

اس تفصیل کی دلیل بخاری ومسلم کی صحیح حدیث ہے اور اس سے مستنبط وہ ضابطہ ہے جس کو علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے صاحبِ مشکوٰۃ نے تحریر فرمایا ہے اور وہ قاعدہ ہے جس کو اس حدیث کے تحت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۱) حدیث:

عن أبی حمید الساعدی قال: استعمل النبی ﷺ رجلا من الأزد، یقال له: ابن اللتبیة، علی الصدقة، فلما قدم قال: هذا لکم و هذا أهدی لی، فخطب النبی ﷺ فحمد الله و أثنی علیه، ثم قال: أما بعد، فإنی أستعمل رجالا منکم علی أمور مما ولانی الله، فیأتی أحدکم فیقول: هذا لکم و هذا هدیة أهدیت

لی، فهلا جلس فی بیت أبیه أو بیت أمه فینظر أیهدی له أم لا؟ و الذی نفسی بیـده، لا یأخذ أحد منه شیئا إلا جاء به یوم القیامة یحمله علی رقبته، إن کان بعیرا لـه رغاء، أو بقـرا لـه خوار، أوشاة یتعر، ثم رفع یدیه حتی رأینا عفرة إبطیه، ثم قال: اللهم هل بلغت اللهم هل بلغت، متفق علیه.

(مشکوٰة ١٥٦، ط: قدیمی)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو عامل بنا کر بھیجا انہوں نے واپس آکر آپ ﷺ کی خدمت میں زکوٰۃ کا مال پیش کر کے عرض کیا "هـذا لـکـم" یہ تمہارے لیے ہے، اور اس کے علاوہ کچھ اور مال تھا، اس کے متعلق عرض کیا کہ یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ "میں بعض لوگوں کو عامل بنا کر بھیجتا ہوں وہ واپس آکر کہتے ہیں کہ یہ مال تو زکوٰۃ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، اس کے بعد فرمایا "فهـلا جلس فی بیت أبیه أو بیت أمه فینظر أیهدی له أم لا ؟" یہ شخص اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟

فائدہ: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ہدیہ کے نام کی وجہ سے اس مال کو ہدیہ اور تحفہ قرار نہیں دیا، بلکہ اس خاص منصب کی وجہ سے ملنے والی رقم کو ناجائز اور رشوت میں داخل فرما کر اس پر تنبیہ فرمائی۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رشوت کی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"............اور اس (رشوت) کے دروازے کو بند کرنے کے لیے امراء و حکام کو جو ہدایا اور تحفے پیش کیے جاتے ہیں ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دے کر حرام قرار دیا گیا ہے۔ (جصاص، مأخوذ از معارف القرآن ۱۵۱/۳)

امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

قـال الامـام ابـوبـکـر الـجـصـاص رحـمـه الله تعالیٰ : وأما الهدایا للأمراء

والقضاة فإن محمد بن الحسن كرهها وإن لم يكن للمهدى خصم ولا حكومة عند الحاكم ذهب في ذلك إلى حديث أبي حميد الساعدى في قصة ابن اللتبية حين بعثه النبي ﷺ على الصدقة فلما جاء قال هذا لكم وهذا أهدى لي فقال النبي ﷺ ما بال أقوام نستعملهم على ما ولانا الله فيقول هذا لكم وهذا أهدى لي فهلا جلس في بيت أبيه فنظر أيهدى له أم لا وما روى عنه ﷺ أنه قال هدايا الأمراء غلول وهدايا الأمراء سحت وكره عمر بن عبدالعزيز قبول الهدية فقيل له إن النبي ﷺ كان يقبل الهدية ويثيب عليها فقال كانت حينئذ هدية وهي اليوم سحت.

(احكام القرآن للجصاص ۲/۲۰۸، ط:قديمی)

(۲) علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستنبطہ ضابطہ :

قال الخطابي رحمه الله تعالى: و في قوله: هلا جلس في بيت أمه أو أبيه فينظر أيهدى إليه أم لا؟ دليل على أن كل أمر يتذرع به إلى محظور فهو محظور، و كل دخيل في العقود ينظر هل يكون حكمه عند الانفراد كحكمه عند الاقتران أم لا؟ (مشکوٰۃ ۱۵۶، ط: قديمی)

علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث سے یہ ضابطہ مستنبط فرمایا ہے کہ اگر ایک عقد دوسرے سے ملا کر ایک وقت میں دو عقد اور دو معاملے کیے جا رہے ہوں تو اس کے جواز اور عدمِ جواز معلوم کرنے کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ دیکھا جائے کہ اگر یہ دونوں عقد علیحدہ علیحدہ ہوں تو اس صورت میں بھی اس کی وہی حیثیت باقی رہتی ہے جو حالتِ اقتران میں تھی یا بدل جاتی ہے؟ اگر وہی رہتی ہے تو جائز ورنہ ناجائز۔

مثلاً ایک شخص دوسرے سے قرض لیتا ہے اور مقرِض اس قرض پر سود وصول کرنا چاہتا ہے لیکن حیلہ بہانہ کے ساتھ، اس لیے وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے میں آپ کو قرض دیتا ہوں لیکن آپ مجھ سے یہ سو روپے کی چیز پانچ سو میں خرید لو، اب یہ عقد اور معاملہ قرض کے عقد اور معاملے کے ساتھ ایک وقت میں مقترن اور جمع ہو گیا، اب اس کے جواز اور عدمِ جواز کے لیے یہ دیکھا

جائے گا کہ حالتِ انفراد میں بھی اس عقد کی یہی حالت ہے یا نہیں؟ اگر ہے، یعنی بدوں قرض بھی یہ شخص اس سو روپے کی چیز کو پانچ سو میں خریدتا ہے تو حالتِ اقتران میں خریدنا جائز، اگر نہیں خریدتا تو حالتِ اقتران میں خریدنا ناجائز اور سود ہے۔

حدیث میں بھی جس ہدیہ کی وصولی پر انکار فرمایا گیا ہے اس کی یہی وجہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ یہ ہدیہ اس خاص منصب کی وجہ سے ہے اگر یہ منصب نہ ہوتا تو یہ ہدیہ بھی نہ ملتا، گویا یہاں عقدِ ہبہ اور عامل ہونا یہ دو معاملے مقترن اور جمع ہوگئے، حدیث کے مطابق اب دیکھا جائے گا کہ اس ہدیہ کی یہ حیثیت حالتِ انفراد میں بھی یہی رہتی ہے یا نہیں؟ یعنی اگر یہ منصب نہ ہوتا تو بھی یہ ہدیہ ملتا یا نہیں؟ اگر ملتا تو منصب کے ساتھ ملنا جائز ہے، اگر نہ ملتا تو منصب کے ساتھ ملنا ناجائز اور رشوت ہے۔

تکافل کمپنی میں بھی اسی طرح دو عقد اور معاملے ایک دوسرے کے ساتھ مقترن اور جمع ہیں، گو شرط نہیں، اب یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے معلوم کرنے کا طریقہ علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مستنبطہ ضابطہ کے پیشِ نظر یہ ہوگا کہ حالتِ انفراد میں اگر ان کی حیثیت وہی حالتِ اقتران کی برقرار رہتی ہے تو یہ دونوں معاملے جائز ہوں گے اور اگر حقیقت بدل جاتی ہے تو پھر جائز نہیں ہوں گے۔

اب ہر دانشمند مسلمان اس پر غور کرے اور خود فیصلہ کرے کہ حالتِ انفراد میں اس کی حیثیت بدلتی ہے یا نہیں؟...... ظاہر ہے کہ اس کی حیثیت بدل جاتی ہے کیونکہ اگر تکافل کمپنی اس ''وقف فنڈ'' کو چندہ دینے والے کے نقصان کی ضمانت کسی بھی صورت میں اور کسی بھی طریقے سے نہ دے تو شاید کوئی ایک بھی اس فنڈ کو چندہ نہ دے، اسی طرح ''تکافل کمپنی'' اور ''وقف فنڈ'' کسی ایسے آفت زدہ مسلمان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے ہوئے اس کے نقصان کی تلافی کے لیے ہرگز تیار نہ ہوں گے، جو ان کے قائم کردہ وقف کو چندہ نہ دیتا ہو۔

جب معلوم ہوا کہ حالتِ انفراد میں یہ تبرع اور احسان نہیں ہوتا تو حالتِ اقتران میں بھی اس کو تبرع اور احسان نہیں کہا جاسکے گا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ تبرع اور چندہ صرف نام کا تبرع اور

چندہ ہے حقیقت میں یہ عقدِ معاوضہ ہے یعنی پالیسی ہولڈر اس رقم کے عوض تکافل پالیسی خریدتا ہے لہٰذا نام کی وجہ سے یہ عقدِ معاوضہ سے خارج نہ ہوگا، بلکہ اس میں داخل ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تکافل کمپنی اور "وقف فنڈ" کے ساتھ پالیسی ہولڈرز کا معاملہ فی سبیل اللہ چندہ کا نہیں بلکہ دوسری انشورنس کمپنیوں کی طرح یہ بھی عقدِ معاوضہ ہے، جس کو تمام علماء بالاتفاق سود، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز اور حرام فرماتے ہیں۔

تنبیہ : علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مستنبطہ ضابطہ کے دو محمل اور مصداق ہیں:

(۱) جو حضرات کسی بھی قسم کے حیلے کے جواز کے قائل نہیں، حتیٰ کہ ربا اور سود سے بچنے کے حیلے کو بھی جائز نہیں سمجھتے، جیسے امام مالک وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ، ان کے نزدیک یہ ضابطہ مطلقاً موثر ہے، اور ہر دو عقد (سود سے بچنے کے لیے حیلہ کا عقد یا سود کھانے کے لیے حیلہ کا عقد) اس کا محمل اور مصداق ہیں۔

قال ملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ :وأما ما قاله من الکلیة الثانیة فإنما یلیق بمذهب من منع الحیل الموصلة إلی الخروج عن الربا أو غیره کمالک.(مرقاة المفاتیح ۲۳۸/۴،ط:رشیدیة)

(۲) جن حضرات کے نزدیک ربا اور سود وغیرہ سے بچنے کے حیلے جائز ہیں اور سود وغیرہ حرام کھانے کے حیلے وغیرہ ناجائز ہیں، جیسے امام ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہما رحمہم اللہ تعالیٰ، ان کے نزدیک اس ضابطہ کا محمل اور مصداق صرف ایسے دو عقد ہیں جن کے اقتران اور ملانے سے مقصود سود اور حرام کھانا ہو۔ اور جہاں سود اور حرام سے بچنا ہو تو وہ اس ضابطے کا محمل اور مصداق نہ ہوگا۔

قال ملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ : وأبو حنیفة والشافعی وغیرهما ممن یری إباحة الحیل لا ینظرون إلی هذا الدخیل لأن النبی علم عامله علی خیبر وقد قال له إنه یشتری صاع تمر جید بصاعی ردیء۔حیلةً تخرجه عن الربا وهی أن یبیع الردیء بدراهم ویشتری بها الجید فافهم إن کل عقد

توسط في معاملة أخرجها عن المعاملة المؤدية إلى الربا جائز هذا.

(مرقاة المفاتيح ۲۳۸/۴،ط:رشيدية)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالیٰ : وإنما هو : الهرب من الحرام والتخلص منه حسن قال الله تعالى ﴿ وخذ بيدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث﴾وذكر في الخبر أن رجلا اشترى صاعا من تمر بصاعين فقال ﷺ : أربيت هلا بعت تمرک بالسلعة ثم ابتعت بسلعتک تمرا وهذا كله إذا لم يؤد إلى الضرر بأحد انتهى وفيه فصول.

قال الشيخ الحموی رحمه الله تعالیٰ: قوله : وإنما هو الهرب من الحرام والتخلص منه حسن .

قال في التتارخانية مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه فهي مكروهة يعني تحريما .

وفي العيون وجامع الفتاوى لا يسعه ذلک وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة.

(الاشباه والنظائر مع شرح الحموی۲/ ۲۹۱)

وفي الهندية : مذهب علمائنا رحمهم الله تعالى أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة.(الفتاویٰ الهندية ۴۴۳/۶،ط:رشيديه)

قال العلامة ظفر احمد العثماني رحمه الله تعالى : والحاصل ان الحيلة ترک لطريق فيه مفسدة الى مطلوب مباح، واختيار لطريق لا مفسدة فيه، وهذا ممالا شناعة فيه شرعا ولا عقلا، ولو كان في الحيلة مفسدة في صورة خاصة يحكم بعدم جوازها بخصوصها،لابعدم جواز مطلق الحيلة.

(اعلاء السنن : ۴۲۳/۱۸)

(۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ قاعدہ:

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو قاعدہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تبرع اور احسان کے طور پر ''اعطاء'' اور ''دینے'' کی دلالت ''ملک'' پر یعنی ملک کے لیے اس کا سبب بننا ضعیف ہے ، لہٰذا اگر اس اعطاء کے ساتھ اس کے ظاہر کے خلاف کوئی قصد مقترن اور جمع ہوگیا تو پھر اس قصد کا اثر ہوگا اور ''اعطاء'' غیر معتبر ہوگا۔ البتہ عقد چونکہ ملک کا سببِ قوی ہے لہٰذا اگر عقد کے ظاہر کے خلاف کوئی قصد مقترن اور جمع ہوگیا تو قصد غیر مؤثر ہوگا اور عقد اپنی قوت کے سبب پھر بھی مؤثر رہے گا۔

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ : ففی کل هذه الصور وما اشبهها لا یملک الآخذ لقوله ﷺ : هدایا العمال غلول ولضعف دلالة الإعطاء علی الملک أثر القصدُ المُخرِجُ له عن مقتضاه بخلاف العقد فإنه دال قوی علی الملک فلم یؤثر فیه قصد قارنه علی أن القصد ههنا صالح وهو التخلص عن الربا. (مرقاة المفاتیح ۲۳۸/۴، ط: رشیدیة)

قاعدے کی مثالیں :

ذیل میں اس قاعدے کی وضاحت کے لیے چند امثلہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے لوگوں کے سامنے مجمع میں سوال کیا گیا اور اس نے حیاء اور شرم کی وجہ سے دیا، اگر تنہائی میں سوال کیا جاتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اس صورت میں اس قاعدہ کے پیشِ نظر ''لفظ اور عملِ اعطاء'' غیر معتبر ہوگا اور ''قصد عدمِ اعطاء'' مؤثر ہوگا اور رقم بدستور اس کی ملکیت میں باقی رہے گی ، لینے والا نہ مالک ہوگا اور نہ ہی اس کے لیے استعمال جائز ہوگا۔

قال ملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ : وقد حکی الغزالی إن من أعطی غیره شیئا ولیس الباعث علیه إلا الحیاء من الناس کان سئل بحضرتهم شیئا فأعطاه إیاه ولو کان وحده لم یعطه ، الإجماع علی حرمة أخذ مثل هذا لأنه

لم يخرج عن ملكه لأنه في الحقيقة مكره بسبب الحياء فهو كالمكره بالسيف. (مرقاة المفاتيح ۴/۲۳۸، ط: رشيدية)

(۲) کسی نے اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر دوسرے کو کچھ دیا تاکہ نہ دینے کی صورت میں مجھ پر تبصرے نہ کرے اور دوسروں کے سامنے مجھے بدنام نہ کرے۔

اس صورت میں یہ "لفظ وعملِ اعطاء" اور "دینا" بھی معتبر نہیں، بلکہ اس کے مقابلے میں اس کا "قصد" جو نہ دینے کا ہے، معتبر اور موثر ہوگا۔ اور مال بدستور اس کی ملکیت میں باقی رہے گا، لینے والا اس اعطاء سے مالک نہ بنے گا۔

(۳) کسی کو حاکم یا عامل وقاضی یا امیر کے بارے میں یہ بات معلوم ہو کہ جب تک کچھ دوں گا نہیں، نہ تو یہ حق کا فیصلہ کریں گے اور نہ ہی مجھ سے حق اور سچ کو قبول کریں گے، پھر کچھ "ہدیہ اور تحفہ" کے نام پر دیا تو اس اعطاء اور دینے سے نہ تو مال دینے والے کی ملکیت سے نکلے گا اور نہ ہی لینے والا مالک بنے گا، بلکہ دینے والے کا "قصد" جو نہ دینے کا تھا، موثر ہو کر اس مال کا دینے والا بدستور مالک رہے گا۔

قال ملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: وقال غيره من أعطى غيره شيئا مداراة عن عرضه حكمه كذلك (أي الحرمة اجماعا) وكذا من أعطى حاكما أو ساعيا أو أميرا شيئا علم المعطي من حاله أنه لا يحكم له بالحق أولا يأخذ منه الحق إلا أن أخذ شيئا ففي كل هذه الصور وما أشبهها لا يملك الآخذ لقوله ﷺ: هدايا العمال غلول ولضعف دلالة الإعطاء على الملك أثَّر القصدُ المُخرِجُ له عن مقتضاه بخلاف العقد فإنه دال قوي على الملك فلم يؤثر فيه قصد قارنه على أن القصد ههنا صالح وهو التخلص عن الربا وفي تلك الصور فاسد وهو أخذ مال الغير بغير حق. (مرقاة المفاتيح ۴/۲۷۶، ط: رشيديه قديم)

(۴) شادی بیاہ کے موقع پر جو ہدایا کا لین دین کیا جاتا ہے جسے عرف میں "نیوتہ" کہتے ہیں، ان کا لین دین بھی ظاہری الفاظ میں اگرچہ ہدیہ اور تحفہ کے نام سے ہوتا ہے لیکن دینے

والے کا قصد قرض کا ہوتا ہے کہ کل کو مجھے اس کے بدلے میں یہ رقم واپس ملے گی، اسی طرح لینے والا بھی قرض کے قصد سے لیتا ہے کہ کل کو مجھے یہ واپس دینا ہوگا۔

حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحۃً اس صورت میں الفاظ کو غیر مؤثر اور غیر معتبر قرار دے کر قصد کے مطابق فیصلہ اور حکم دیا ہے کہ یہ قرض ہے جس کا دینا لازم ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: و في الفتاوى الخيرية: سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الاعراس و نحوها، هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا؟ أجاب: إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله، و إن قيميا فبقيمته، و إن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة، و لا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البدل، فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه، فلا رجوع فيه بعد الهلاك أو الاستهلاك، و الأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا اهـ، قلت: و العرف في بلادنا مشترك، نعم! في بعض القرى يعدونه قرضا حتى إنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدى، فإذا جعل المهدى وليمة يراجع المهدى الدفتر فيهدى الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه. (الشامية ، كتاب الهبة ٥/٦٩٦، ط:سعيد)

(۵) بائع کا اپنی اشیاء کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کی غرض سے سبحان اللہ، ماشاء اللہ جیسے الفاظ کہنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو دنیاوی قصد کی وجہ سے ثواب نہیں ملے گا۔

تکافل میں بھی اسی طرح الفاظ اور قصد کا اختلاف ہے کہ الفاظ تو چندہ اور تبرع کے ہیں، لیکن قصد اس کے خلاف ہے کہ بدلے میں مجھے تلافی کی صورت میں زیادہ ملے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر تلافی کی رقم نہ ملے تو ایک روپیہ بھی چندہ نہیں دے گا۔

لہٰذا مذکورہ بالا قاعدے کے پیشِ نظر الفاظ کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسے لوگوں کے سامنے مجمع میں دینے کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اس کا قصد مؤثر ہوگا کہ چندہ اس غرض سے دے رہا ہے کہ اس چندہ کی وجہ سے مجھے کل کو زیادہ رقم ملے گی۔

﴿تکافل میں سود، قمار اور غرر کی وضاحت﴾

عقدِ معاوضہ بننے کے بعد تکافل میں سود، قمار اور غرر کس طرح پایا جاتا ہے؟ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

سود کی وضاحت: اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ تکافل میں ثمن قسطیں ہیں، اور مبیع تکافل پالیسی ہوتی ہے، جس میں کمی بیشی ہوتی ہے، لہٰذا یہ بیع ہے اور باقاعدہ عقدِ معاوضہ ہے۔ یعنی پالیسی ہولڈر بطورِ مشتری اور خریدار......وقف فنڈ (شخص قانونی) بطورِ بائع اور بیچنے والا......اقساط بطورِ ثمن و قیمت......تکافل پالیسی بطورِ مبیع کے ہے۔

اس سے تکافل کا عقد معاوضہ ہونا بالکل واضح ہے اور چونکہ دونوں بدل اور عوض نقد ہیں، جس کے تبادلہ میں کمی بیشی ''ربا الفضل'' ہے جو حرام ہے.........اور سود کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کو کم رقم اس شرط پر دے کہ دوسرا فریق اس رقم کے بدلے اسے کچھ بڑھا کر دے گا۔

تکافل کے اندر کم پریمیم اور ثمن کے بدلہ زیادہ رقم کی پالیسی خریدی جاتی ہے، یہی سود ہے۔

قمار کی وضاحت: تکافل کے اندر پائی جانے والے دوسری بڑی خرابی ''قمار'' ہے، جسے اردو میں ''جوا'' کہتے ہیں، اور قمار کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد فریق آپس میں اس طرح کا کوئی معاملہ کریں جس کے نتیجے میں ہر فریق کسی غیر یقینی واقعے کی بنیاد پر اپنا کوئی مال (فوری ادائیگی کر کے یا ادائیگی کا وعدہ کر کے) اس طرح داؤ پر لگائے کہ وہ یا تو بلا معاوضہ دوسرے فریق کے پاس چلا جائے یا دوسرے فریق کا مال پہلے فریق کے پاس بلا معاوضہ آجائے۔ اسی کو ''مخاطرہ'' کہا جاتا ہے کہ جس میں یا تو اصل رقم بھی ڈوب جاتی ہے اور یا مزید رقم کھینچ کر لے آتی ہے اور یہی قمار ہے''۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : وسمي القمار قمارا ،لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوّز أن يذهب ماله الى صاحبه ويجوّز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص .(الشامية، فصل في البيع ۴۰۳/۶،ط:سعيد)

غرر کی وضاحت : تکافل میں پائی جانے والی تیسری بڑی خرابی ''غرر'' کی ہے۔سود اور قمار کی طرح ''غرر'' بھی شرعاً ناجائز ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عَن أَبِی هُرَیرَةَ قَالَ: نَهَی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَن بَیعِ الحَصَاةِ وَ عَن بَیعِ الغَرَرِ.

(مسلم ، کتاب البیوع، ۲/۲، ط: قدیمی)

لغوی اعتبار سے غرر ''غیر یقینی کیفیت'' کا نام ہے۔اور اصطلاحِ شرع میں غرر ایسے معاملہ کو کہا جاتا ہے ''جس میں کم از کم کسی ایک فریق کا معاوضہ غیر یقینی کیفیت کا شکار ہو، جس کا تعلق معاملہ کے اصل اجزاء سے ہو۔

تکافل کے اندر غرر کثیر کی خرابی موجود ہے، کیونکہ تکافل کے اندر جس خطرے کی حفاظت کے لیے معاملہ کیا جاتا ہے اس کا پایا جانا غیر یقینی ہے کہ معلوم نہیں کتنی رقم واپس ہوگی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جتنی رقم دی ہے ساری کی ساری ڈوب جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نقصان اور حادثہ کی صورت میں زیادہ رقم مل جائے، یعنی صورت حال واضح نہیں، اور اسی کو ''غرر'' کہتے ہیں کہ ارکانِ عقد یعنی ثمن و قیمت، مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز، یا اجل/ مدت میں سے کوئی چیز مجہول ہو، یا کسی مجہول اور غیر معین واقعے پر موقوف ہو۔

﴿راجح بنیاد کا تفصیلی جائزہ اور عدم جواز کی وجوہ﴾

راجح بنیاد یعنی وقف کی صورت میں تکافل کے عدمِ جواز کی ۱۸ وجوہ ہیں۔

یہ یاد رہے کہ مجوزین کے ہاں وقف کی بنیاد پر تکافل کی صحت اور جواز چار شرطوں پر مبنی ہے، چنانچہ مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

(ا) چندہ دہندگان کا چندہ دینا کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہو۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹)

یعنی ہر ایک صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، رضا اور دوسروں کی معاونت کی نیت سے چندہ دے، جیسے مختلف ٹرسٹوں، دینی مدارس اور رفاہی اداروں جیسے ہسپتال وغیرہ کو دیا جاتا ہے۔

(۲) پول کو رقم مستقل عطیہ کی حیثیت سے ہو یعنی وہ کسی سابقہ عقد کا نتیجہ نہ ہو۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹)

یعنی نقصان کی تلافی اس بنیاد پر نہ ہو کہ چونکہ اس نے پول (وقف فنڈ) کو چندہ دیا ہے اس وجہ سے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

(۳) چندہ کی ملکیت شرکاء کی ملکیت سے خارج ہو۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹)

یعنی چندہ دینے کے بعد اب اس کا چندہ کی وجہ سے پول اور فنڈ پر کوئی حق نہیں ہے اور نہ فنڈ اس کا وکیل ہے اور نہ فنڈ کے منتظمین اس کے وکلاء اور کارندے ہیں جیسے مدرسہ کو چندہ دے کر کوئی لاتعلق ہو جاتا ہے۔

(۴) پول اس چندہ کا مالک ہو، کیونکہ "**خروج الشئ لا الی الملک**" درست نہیں ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹)

یعنی پول کو شخص حقیقی کی طرح ماننا ضروری ہے تاکہ وہ اس مال کا مالک بن جائے اور اس شرط کے پورا کرنے کے لیے ہمیں مجبوراً فنڈ کو شخص قانونی کا مفروضہ ماننا پڑے گا جو شخص حقیقی کی طرح مالک بھی بنتا ہو اور مالک بناتا بھی ہو۔

ان شرائط کو ذہن میں رکھ کر درج ذیل وجوہ کو پڑھیے اور غور کیجیے تو آسانی سے بات سمجھ میں آجائے گی، کیونکہ ان شرائط سے تکافل کے وجود کے لیے وقف کا وجود ضروری ہے جبکہ ذیل میں کئی وجوہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ وقف ہی صحیح اور درست نہیں بلکہ ناجائز اور حرام ہے اور جب وقف فنڈ نہ بنا تو شخص قانونی نہ بنا اور اس کے نہ بننے سے جو تکافل کی پوری تعمیر تھی وہ سب کی سب نیست و نابود ہو گی۔

وجہ نمبر ۱: وقفِ نقود میں تعامل کی شرط:

منقولات کے وقف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) منقول، غیر منقول کے تابع ہو کر وقف کیا جائے۔ جیسے کہ زمین کے ساتھ درختوں،

بیلوں اور بناء (عمارت) وغیرہ کو وقف کرنا۔

(۲) وہ منقول جس کا وقف نص سے ثابت ہو۔ جیسے اسلحہ، زِرہ اور گھوڑے وغیرہ۔

(۳) ایسا منقولی وقف جو نہ غیر منقول کے تابع ہو اور نہ منصوص ہو، اس کا وقف اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے وقف کا تعامل اور عرف ہو، اگر عرف اور تعامل نہ ہو تو وقف جائز نہیں۔ جیسے کلہاڑی، تیشہ وغیرہ کے وقف کرنے کا پچھلے زمانوں میں بعض جگہ عرف تھا۔

چونکہ نقود تیسری قسم کے منقولات میں داخل ہیں اس لیے اس کی صحت کے لیے بھی مفتی بہ، راجح اور جمہور کے قول کے مطابق تعامل شرط ہے۔ لہٰذا جہاں تعامل اور عرف نہیں وہاں وقف درست نہیں ہوگا اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق بعض کے عمل (وقف کرنے) کو تعامل نہیں کہا جاسکتا۔

و قال الامام برهان الدين ابن مازه رحمه الله تعالى : يجب أن يعلم أن وقف المنقول تبعاً للعقار جائز، بأن جعل أرضه وقفاً مع العبيد و الثيران الذين يعملون فيها و يصير المنقول وقفاً تبعاً للعَقار، و أما وقفه مقصوداً إن كان كُراعاً أو سِلاحاً يجوز و نعني بالسِلاح السِلاح و نعني بالكُراع جنس الخيل و الابل، و إن كان سوى ذلک، إن كان شيئاً لم يجر التعارف بوقفه كالثياب و الحيوان ،لا يجوز عندنا، و إن كان متعارفاً كالفأس و القدوم و ثياب الجنازة و ما يحتاج إليه من الأواني و القدور في غسل الموتى أو المصحف لقراءة القرآن، قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: لا يجوز وقال محمد رحمه الله تعالى: يجوز و إليه ذهب عامة المشايخ منهم شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ. و ذكر في "شرح كتاب الوقف" فقال: ما تعارفه الناس و ليس في عينه نص يبطله فهو جائز كما في الاستصناع و غير ذلک. (المحيط البرهاني ۸/۵۰۲،ط:ادارة القرآن)

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ : ويدخل البناء في وقف الأرض تبعا فيكون وقفا معها .وفي دخول الشجر في وقف الأرض روايتان ذكرهما في

الخلاصة .وفي فتاوى قاضي خان : تدخل الأشجار والبناء في وقف الأرض كما تدخل في البيع ويدخل الشرب والطريق استحسانا ؛ لأن الأرض لا توقف إلا للاستغلال وذلك لا يكون إلا بالماء والطريق فيدخلان كما في الإجارة.(فتح القدير ۵/۴۲۹،رشيديه)

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ : يجوز حبس الكُراع والسِلاح ومعناه وقفه في سبيل الله وأبو يوسف معه فيه على ما قالوا وهو استحسان .

والقياس أن لا يجوز لما بيناه من قبل .وجه الاستحسان الآثار المشهورة فيه .(هداية مع فتح القدير ۵/۴۳۰،ط:رشيدية)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: (و) كما صح أيضا وقف كل (منقول) قصدا (فيه تعامل) للناس (كفأس و قدوم) بل (و دراهم و دنانير) قلت: بل ورد الأمر للقضا ة بالحكم به كما في معروضات المفتي أبي السعود، و مكيل وموزون فيباع و يدفع ثمنه مضاربة أو بضاعة فعلى هذا لو وقف كرا على شرط أن يقرضه لمن لا بَذْر له ليزرعه لنفسه فإذا أدرک أخذ مقداره ثم أقرضه لغيره و هكذا جاز خلاصة .

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : مطلب في وقف المنقول قصدا (قوله : كل منقول قصدا) أما تبعا للعَقار فهو جائز بلا خلاف عندهما كما مر كما لا خلاف في صحة وقف السِلاح و الكُراع أي الخيل للآثار المشهورة، و الخلاف فيما سوى ذلک فعند أبي يوسف لا يجوز، وعند محمد يجوز ما فيه تعامل من المنقولات و اختاره أكثر فقهاء الأمصار كما في الهداية، و هو الصحيح كما في الإسعاف، و هو قول أكثر المشايخ كما في الظهيرية؛ لأن القياس قد يترک بالتعامل، و نقل في المجتبى عن السِيَر جواز وقف المنقول مطلقا عند محمد، وإذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسف، و تمامه في البحر، و المشهور الأول (قوله: و قدوم) بفتح أوله وضم ثانيه مخففا و مثقلا.

مطلب في وقف الدراهم والدنانير: (قوله : بل ودراهم ودنانير) عزاه في الخلاصة إلى الأنصاري، وكان من أصحاب زفر، و عزاه في الخانية إلى زفر حيث قال: و عن زفر شرنبلالية، و قال المصنف في المنح: و لما جرى التعامل في زماننا في البلاد الرومية و غيرها في وقف الدراهم و الدنانير دخلت تحت قول محمد المفتي به في وقف كل منقول فيه تعامل كما لا يخفى؛ فلا يحتاج على هذا إلى تخصيص القول بجواز وقفها بمذهب الإمام زفر من رواية الأنصاري، والله تعالى أعلم، و قد أفتى مولانا صاحب البحر بجواز وقفها و لم يحك خلافا اهـ، ما في المنح.

قال الرملي: لكن في إلحاقها بمنقول فيه تعامل نظر إذ هي مما ينتفع بها مع بقاء عينها على ملك الواقف و إفتاء صاحب البحر بجواز وقفها بلا حكاية خلاف لا يدل على أنه داخل تحت قول محمد المفتي به في وقف منقول فيه تعامل؛ لاحتمال أنه اختار قول زفر و أفتى به و ما استدل به في المنح من مسألة البقرة الآتية ممنوع بما قلنا، إذ ينتفع بلبنها و سمنها مع بقاء عينها لكن إذا حكم به حاكم ارتفع الخلاف اهـ ملخصا.

قلت: و إن الدراهم لا تتعين بالتعيين فهي و إن كانت لا ينتفع بها مع بقاء عينها لكن بدلها قائم مقامها لعدم تعينها فكأنها باقية و لا شك في كونها من المنقول فحيث جرى فيها تعامل دخلت فيما أجازه محمد، و لهذا لما مثل محمد بأشياء جرى فيها التعامل في زمانه، قال في الفتح: إن بعض المشايخ زادوا أشياء من المنقول على ما ذكره محمد لما رأوا جريان التعامل فيها، وذكر منها مسألة البقرة الآتية و مسألة الدراهم و المكيل حيث قال: ففي الخلاصة: وقف بقرة على أن ما يخرج من لبنها و سمنها يعطى لأبناء السبيل، قال: إن كان ذلك في موضع غلب ذلك في أوقافهم

رجوت أن يكون جائزا، و عن الأنصاری و كان من أصحاب زفر فيمن وقف الدراهم أو ما يكال أو ما يوزن أيجوز ذلک؟ قال: نعم، قيل: و كيف؟ قال: يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصدق بها في الوجه الذی وقف عليه وما يكال أو يوزن يباع ويدفع ثمنه لمضاربة أو بضاعة، قال: فعلی هذا القياس إذا وقف كرا من الحنطة على شرط أن يقرض للفقراء الذين لا بَذْر لهم ليزرعون لأنفسهم ثم يؤخذ منهم بعد الإدراک قدر القرض ثم يقرض لغيرهم من الفقراء أبدا على هذا السبيل، يجب أن يكون جائزا، قال: و مثل هذا كثير فی الری وناحية دوماوند اهـ.........نعم وقف الدراهم والدنانير تعورف فی الديار الرومية اهـ.

مطلب فی التعامل و العرف: (قوله: لأن التعامل يترک به القياس) فإن القياس عدم صحة وقف المنقول لأن من شرط الوقف التأبيد و المنقول لا يدوم. و التعامل كما فی البحر عن التحرير هو الأكثر استعمالا.

و فی شرح البيری عن المبسوط: أن الثابت بالعرف كالثابت بالنص اهـ و تمام تحقيق ذلک فی رسالتنا المسماة " نشر العرف فی بناء بعض الأحكام على العرف" و ظاهر ما مر فی مسألة البقرة اعتبار العرف الحادث فلا يلزم كونه من عهد الصحابة، و كذا هو ظاهر ما قدمناه آنفا من زيادة بعض المشايخ أشياء جری التعامل فيها، و على هذا فالظاهر اعتبار العرف فی الموضع أو الزمان الذی اشتهر فيه دون غيره فوقف الدراهم متعارف فی بلاد الروم دون بلادنا ووقف الفأس و القدوم كان متعارفا فی زمن المتقدمين و لم نسمع به فی زماننا فالظاهر أنه لا يصح الآن، ولئن وجد نادرا لا يعتبر، لما علمت من أن التعامل هو الأكثر استعمالا فتأمل.

(الشامية ٦/٥٥٧، ط: رشيديه)

مولانا اعظمی صاحب مدظلہ بھی عرف کو صحتِ وقف کے لیے شرط مانتے ہیں:

مولانا ڈاکٹر خلیل احمد اعظمی مدظلہ، استاذ دار العلوم کراچی نے بھی اس قسمِ ثالث کے منقولات کی صحتِ وقف کے لیے عرف اور تعامل کو شرط اور ضروری مانا ہے...... لکھتے ہیں:

منقولی اشیاء کے وقف کی تیسری صورت یہ ہے کہ ان کے وقف کا تعامل ہو کہ اس جگہ اور اس زمانے میں لوگ ان منقولی اشیاء کا وقف کرتے ہوں تو عرف کی وجہ سے یہ وقف درست ہو جائے گا...... آگے لکھتے ہیں ...... علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صراحت کی ہے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے لہٰذا مفتی بہ قول کے مطابق جب منقولی اشیاء کے وقف کے جواز کا مدار عرف پر ہے تو اس میں ہر زمانے اور جگہ کے عرف کا الگ اعتبار ہوگا جہاں جس منقول چیز کے وقف کا عرف ہو وہاں اس کے وقف کی اجازت ہوگی، دوسری جگہ اگر اس کا عرف نہ ہو تو اس جگہ اس منقولی چیز کے وقف کی اجازت نہیں ہوگی، مثال کے طور پر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کلہاڑی، تیشہ اور درانتی وغیرہ کے وقف کی اجازت دی لیکن ہمارے ہاں اس کے وقف کا عرف نہیں تو ہمارے ہاں اس کے وقف کی اجازت نہیں ہوگی۔

مصحف (قرآنِ مجید) کے وقف کا عرف ان کے ہاں بھی تھا، ہمارے ہاں بھی ہے اس لیے آج کل بھی مصحف کے وقف کی اجازت ہوگی، ہسپتال میں استعمال ہونے والی منقولہ اشیاء جیسے اسٹریچر، ایمبولینس، چارپائی، مختلف مشینیں، ان کے وقف کا عرف ان کے زمانے میں نہیں تھا لیکن آج کل اس کا عرف ہے اس لیے آج اگر انہیں کوئی وقف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

آج کل لوگ مسجد میں مریض نمازیوں کے لیے کرسیاں یا وہیل چیئر وقف کر دیتے ہیں اس کا بھی اب عرف ہو گیا، اس لیے یہ بھی جائز ہوگا۔

............خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک جو منقولہ اشیاء غیر منقول کے تابع کر کے وقف کیے جائیں یا ان کے وقف کے بارے میں کوئی نص آئی ہو یا ان کے وقف کا عرف ہو تو ان صورتوں میں انہیں وقف کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

(اسلام کا نظامِ اوقاف ٢٣٢ تا ٢٣٤)

اعظمی صاحب اور مولانا عصمت اللہ صاحب کی تحاریر میں فرق :

مولانا اعظمی صاحب نے (اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے) منقولات کے وقف سے متعلق جو حقیقت تھی اس کو مثالیں دے کر اتنی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ ہر پڑھنے والا صحیح حقیقت تک بآسانی پہنچ جاتا ہے کہ جن منقولات میں جس زمانے اور علاقے میں عرف ہے ان کا وقف اس علاقے اور زمانے میں صحیح ہے، اور جن میں عرف نہیں ان کا وقف صحیح نہیں، جبکہ مولانا عصمت اللہ صاحب نے اپنی تحریر میں اس حقیقت کو اس انداز سے بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والے صحیح حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے۔ چنانچہ ہمارے ایک فاضل محترم نے اصل حقیقت کی مختصر تفصیل اور مولانا عصمت اللہ صاحب کی عبارت سے ملنے والے غلط تأثر کو یوں تحریر فرمایا ہے:

"علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منقولی اشیاء کی تیسری قسم کے وقف میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مابین اختلاف کی دو نوعیتیں بیان کی ہیں۔

(۱) اختلاف کی پہلی نوعیت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں منقولی اشیاء کا وقف مطلقاً ناجائز اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جن منقولی چیزوں کے وقف کا تعامل وتعارف ہو ان میں وقف جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں ناجائز ہے۔

(۲) اختلاف کی دوسری نوعیت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جن منقولی چیزوں میں تعامل ہو ان میں وقف جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں ناجائز۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں منقولی اشیاء کا وقف مطلقاً جائز ہے خواہ تعامل ہو یا نہ ہو۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی پہلی نوعیت کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: "و

المشھور الاول" نیز اس نوعیت کے اختلاف میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول جو کہ تعامل و عرف کے ساتھ مشروط ہے، کو ہدایہ، اسعاف اور ظہیریہ کے حوالے سے صحیح، اکثر فقہائے امصار کا مختار اور اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا معمول بہا ہونا نقل فرمایا ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مطلقاً جواز کے قول کو صرف مجتبیٰ عن السیر کے حوالے سے نقل تو کیا ہے، لیکن اس کی تصحیح یا ترجیح کے لیے کوئی جملہ نقل نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعامل کی شرط کے ساتھ جوازِ وقف کا قول ہی مصحح اور مفتیٰ بہ ہے، اور مطلقاً جواز کا قول مرجوح اور غیر مفتیٰ بہ ہے۔

مولانا عصمت اللہ صاحب نے اس بنیادی تفصیل کو چھوڑ کر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو کچھ اس طرح خلط ملط کر کے بیان کیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہی نہیں ہو پاتی کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول "مجتبیٰ عن السیر" میں کونسا ہے؟ اور ہدایہ وغیرہ میں کونسا ہے؟ نیز مفتی بہ اور راجح قول کونسا ہے؟

مولانا موصوف اپنی کتاب "تکافل کی شرعی حیثیت" میں لکھتے ہیں:

> "واضح رہے کہ ہدایہ، اسعاف، فتاویٰ ظہیریہ اور مجتبیٰ عن السیر وغیرہ کے مطابق صحیح اور مفتیٰ بہ قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے جسے تفصیل کے ساتھ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ردالمحتار" میں ذکر کیا ہے......الخ
>
> (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۲۷)

اس عبارت میں دو باتوں کی صراحت نہیں، جبکہ مسئلہ کی وضاحت کے لیے ان کی صراحت ضروری ہے:

(۱) امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مفتیٰ بہ قول، قولِ مطلق ہے یا قولِ مشروط بالتعامل والعرف؟

(۲) "مجتبیٰ عن السیر" میں جو قولِ جواز ہے، اس پر یہ تنبیہ ضروری تھی کہ وہ غیر مفتیٰ بہ ہے، تا کہ کسی کو اس کے مفتیٰ بہ ہونے کا تأثر نہ ملتا۔ کیونکہ اس خلط ملط شدہ اجمال سے پڑھنے والا یہ غلط تأثر لے سکتا ہے کہ مفتیٰ بہ قول، قولِ مطلق ہے، حالانکہ مفتیٰ بہ قول، قولِ مشروط بالتعامل و العرف ہے۔

وقف منقولات میں دوسرے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب:

حنابلہ اور شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر اس منقول چیز کا وقف جائز ہے جس کے عین کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو (خواہ اس کا عرف ہو یا نہ ہو) جیسے گائے، درخت، زیورات۔ لہٰذا جن منقولات سے بدوں بقائے عین انتفاع ممکن نہ ہو بلکہ انتفاع کے لیے عین کا بدلنا اور ختم ہونا ناگزیر ہو تو ان کا وقف جائز نہ ہوگا، جیسے گندم، آٹا، پھل، شہد اور نقد روپے پیسے وغیرہ۔

تنبیہ: احناف کثر ہم اللہ سواد ہم کے نزدیک ان ماکولات، مشروبات (آٹا، پھل، شہد وغیرہ) اور نقود (کرنسی) کے وقف کا اگر عرف ہو جائے تو ان کا وقف بھی جائز ہے، اور ان سے انتفاع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان اشیاء کو بیچ کر اس کی قیمت تجارت میں لگائی جائے اور حاصل شدہ نفع سے ماکولات و مشروبات خرید کر موقوف علیہم پر خرچ کیا جائے، اس صورت میں شے موقوف کا عین اگرچہ حقیقۃً باقی نہیں رہا، لیکن حکماً اب بھی باقی ہے، البتہ حنابلہ اور شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ حقیقۃً عین کا باقی رہنا ضروری ہے، اس لیے ان کے نزدیک ان اشیاء کا وقف درست نہیں۔

حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

و جملة ذلک ان الذی یجوز وقفه، ما جاز بیعه، و جاز الانتفاع به مع بقاء عینه، و کان اصلا یبقی بقاء متصلا، کالعَقَار و الحیوانات و الاثاث و أشباه ذلک .... و هذا قول الشافعی. (مغنی لابن قدامة: ۸/ ۲۳۱، ط: هجر)

ترجمہ: از مولانا ڈاکٹر خلیل احمد اعظمی مدظلہ، استاذ دار العلوم کراچی

''کن چیزوں کا وقف جائز ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس کی بیع جائز ہے اور جس کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے اور وہ چیز ایسی ہو جو باقی رہ سکتی ہو تو ان تمام چیزوں کا وقف جائز ہے، جیسے زمین، حیوانات، اسلحہ اور گھریلو سامان وغیرہ، یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی ہے''۔ (اسلام کا نظامِ اوقاف، ص: ۲۳۶)

الحاصل : مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ نقود (کرنسی) کا وقف دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدمِ بقاء عین کی وجہ سے ناجائز ہے، اور احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدمِ عرف کی وجہ سے ناجائز ہے۔

رہی یہ بات کہ اس وقت نقود (کرنسی) کے وقف کا عرف ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس وقت وقفِ نقود کا عرف نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے ملکِ پاکستان بلکہ اکثر ممالک میں اس وقت نقود کے وقف کا تعامل تو درکنار عمومی طور پر لوگ نقود کے وقف کو جانتے ہی نہیں۔ چنانچہ مدارس، شفاء خانوں اور رفاہی اداروں میں ہمیشہ سے لوگ رقوم جمع کرتے ہیں، لیکن کسی کو کبھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ کہہ دے کہ یہ وقف ہے، اس کے عین کو محفوظ رکھ کر پہلے اس سے تجارت کی جائے، اور جب سال دو سال میں نفع آ جائے تو ان منافع کو فلاحی اور مجوزہ ضرورتوں پر صرف کیا جائے۔

اشکال : سِیَر کبیر میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مطلقاً وقفِ منقولات کی صحت منقول ہے؟

جواب نمبر ۱ : امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا راجح، مشہور اور مفتی بہ قول اس کے خلاف ہے، (کما مر فی العبارات السابقۃ)

جواب نمبر ۲ : علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق قوتِ دلیل اور عامۃ الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے پیشِ نظر ہر اعتبار سے بابِ وقف میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے، اور ان کا قولِ جواز صرف تعامل اور تعارف کی صورت میں ہے۔

قال العلامة ظفر احمد العثماني رحمه الله تعالى: .... الجواب: قلت: عليه فتوىٰ البعض و أفتى الآخرون بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ و هو الحق عندنا لكون قول أبي يوسف هو المأخوذ به في باب الوقف ....

قلت: ...... بل الصحيح ما ذكره السرخسي أن محمدا يقول بجوازه مطلقاً

و أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ بجوازه فیما فیه عرف ظاهر کثیاب الجنازة و آلات غسل الموتی و نحوها اهـ فهذا هو المعتمد عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ عندنا لقوة الدلیل فلا تلفیق عندنا اصلاً ...... و لورأی السائل کتاب الوقف و القضاء لعلم أن المعتمد فی البابین قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ مطلقا، و قوله و هو المفتی به فی البابین، و ان کان بعض المشایخ أخذ بقول محمد رحمه الله تعالیٰ فی بعض الفروع، و لکن الترجیح فی الأغلب بقول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ فیه نأخذ و نفتی و هو الحق عندنا.

(امداد الاحکام ۳/ ۱۲۱)

اشکال نمبر ۱ : کیا متعدد اسلامی ممالک میں تکافل کمپنیوں کے وجود کو وقفِ نقود کا عرف اور تعامل نہیں کہا جا سکتا؟

جواب : نہیں۔ کیونکہ ان تکافل کمپنیوں میں جو نقود وقف ہوتے ہیں وہ ان کمپنیوں کے موجدین منتظمین اور مُلّاک کے ہوتے ہیں جو چند گنے چنے ہوتے ہیں اور باقی وہ لوگ جو تکافل پالیسی سے منسلک ہو کر نقود جمع کرتے ہیں وہ وقف نہیں، اگر کوئی ان میں سے اس کو بھی وقف کہے بھی تو خود یہ مُلاک اور منتظمین انکار کرتے ہیں کہ یہ وقف نہیں ہے اور اکثر تعداد بھی انہی کی ہے جن کے نقود وقف نہیں۔

الحاصل! تکافل کمپنیوں سے وابستہ افراد میں سے جو نقود وقف نہیں کرتے بلکہ چندہ دیتے ہیں، اکثریت انہی کی ہے اور جن کے نقود وقف ہیں وہ گنے چنے اور اقلیت میں ہیں اور بتصریح علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بعض کے عمل کو عرف نہیں کہا جاتا:

والتعامل کما فی البحر عن التحریر هو الاکثر استعمالا.

(الشامیة ۶/۵۵۷، ط: رشیدیه)

اشکال نمبر ۲ : کیا مجوزین حضرات جو مختلف ملکوں کے ہیں، سے تعامل و عرف ثابت نہیں ہوا؟

جواب: نہیں۔ کیونکہ جواز کا فتویٰ عرف اور تعامل کے تابع ہے، ایسا نہیں کہ عرف اور تعامل جواز کے فتویٰ کے تابع ہو۔ جیسے ضمان قبضہ کے تابع ہوتا ہے نہ کہ قبضہ ضمان کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے ذمہ ضمان اور نقصان کی شرط لگائی گئی اور ابھی قبضہ نہیں دیا گیا تو اس شرط ضمان سے اس کا قبضہ شرعاً نہیں سمجھا جائے گا اور اسی حالت میں اگر مبیع اور شے ضائع ہوگئی تو نقصان شرعاً بائع اور قابض پر ہوگا نہ کہ مشتری پر۔

وجہ نمبر ۱ کا حاصل: چونکہ تکافل کی بنیاد وقفِ نقود (کرنسی) پر ہے، لہٰذا تعامل اور عرف نہ ہونے کی وجہ سے عندالاحناف رحمہم اللہ تعالیٰ اور عدمِ بقاءِ عین کی وجہ سے دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ یہ وقف ہی درست نہیں۔ جب وقف درست نہ ہوا تو شخصِ قانونی بھی نہ رہا، اور جب شخصِ قانونی نہ رہا تو چندہ، چندہ دہندگان (دینے والوں) کی مِلک میں بدستور باقی رہا، اب اگر وہ زندہ ہیں تو انہی کو لوٹانا واجب ہے، ورنہ ان کے ورثہ کو۔ نیز چندہ دہندگان پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

وجہ نمبر ۲: فقط اغنیاء پر وقف جائز نہیں:

وقف کے جواز کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ موقوف علیہم صرف اغنیاء نہ ہوں، ورنہ وقف جائز نہیں ہوگا، جبکہ تکافل کی پالیسی کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف صرف اغنیاء ہی پر ہے، کیونکہ اس کی مختلف پالیسیاں صرف اغنیاء ہی لے سکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة (الشامية، كتاب الوقف ۳۳۸/۴، ط: سعيد)

شوافع اور مالکیہ کا مذہب اور ڈاکٹر صاحب کا تسامح:

ڈاکٹر خلیل احمد اعظمی صاحب، علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت اور اس کے ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں:

"اس عبارت سے واضح ہے کہ حضراتِ شافعیہ کے راجح روایت کے مطابق صرف اغنیاء پر وقف درست ہے کیونکہ اگر یہ جہتِ قربت نہیں

ہے، لیکن جہتِ معصیت بھی نہیں، اور ان میں مالک بننے کی صلاحیت بھی ہے،

علامہ شربینی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ لکھتے ہیں:

و قد علم من كلام المصنف أن الشرط انتفاء المعصية لا وجود ظهور القربة.

مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف کے لیے معصیت کا نہ پایا جانا شرط ہے، قربت کے پہلو کا پایا جانا ضروری نہیں۔ مالکیہ کی عبارات سے بھی یہی موقف معلوم ہوتا ہے"۔ (اسلام کا نظامِ اوقاف ۳۴۵، ۳۴۶)

تسامح: جب موقوف علیہم اغنیاء ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اغنیاء محصون اور محدود و متعین لوگ ہوں۔

(۲) اغنیاء محصون نہ ہوں یعنی غیر محدود اور غیر معین لوگ ہوں۔

دونوں صورتوں کا حکم الگ الگ ہے۔

پہلی صورت کا حکم: یہ وقف وصیت کے معنی میں ہے اور بطورِ تملیک ان کو شے موقوف دی جائے گی۔

دوسری صورت کا حکم: یہ صورت باطل ہے، نہ وقفاً درست ہے، کیونکہ قربت نہیں، اور نہ وصیتاً درست ہے، کیونکہ اس میں تملیکِ مجہول ہے، اور تملیکِ مجہول جائز نہیں۔ جسکی تفصیل وجہ نمبر۴ میں آ رہی ہے۔

خود ڈاکٹر صاحب نے بھی شامیہ کے حوالے سے اس دوسری صورت کا باطل ہونا نقل کیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة. (الشامية، كتاب الوقف ۳۳۸/۴، ط: سعيد)

جبکہ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں اس دوسری صورت کے حکم کا بیان نہیں، بلکہ اس عبارت میں پہلی صورت کے حکم کا بیان ہے کہ جب اغنیاء محدود و معین ہوں تو ان حضرات کے ہاں بھی راجح یہ ہے کہ یہ تملیکاً صحیح ہے، اور اس صورت سے متعلق خود ہمارے احناف رحمہم

اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی یہی ہے کہ اس وقت وقف وصیت کے معنی میں ہو کر تملیک کا صحیح ہوگا، جس کی صراحت مبسوطِ سرخسی، محیط برہانی، بحرِ رائق اور علامہ شامی کی درج ذیل عبارت میں ہے:

قال العلامة السرخسي رحمه الله تعالىٰ : و الحاصل أنه متى ذكر مصرفا فيه تنصيص على الفقر و الحاجة فهو صحيح سواء كانوا يحصون أو لا يحصون لأن المطلوب وجه الله تعالى، و متى ذكر مصرفا يستوى فيه الأغنياء و الفقراء فإن كانوا يحصون فذلك صحيح لهم باعتبار أعيانهم و إن كانوا لا يحصون فهو باطل، إلا أن يكون فى لفظه ما يدل على الحاجة استعمالا بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالفقراء و الأغنياء فيه سواء و إن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح و تصرف إلى فقرائهم دون أغنيائهم لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة فى جواز تصحيح الكلام باعتباره و تمام بيان هذه الفصول فى كتاب الوصايا.

(المبسوط ۱۲/۳۷، ط: دار احياء التراث العربى)

و قال الامام ابن مازه البخارى رحمه الله تعالى: الحاصل فى جنس هذه المسائل أنه متى ذكر مصرفاً فيه تنصيص على الفقر و الحاجة فالوقف صحيح سواء كانوا يحصون أو لا يحصون (قوله: سواء كانوا يحصون أو لا يحصون) يشير إلى أن التأبيد ليس بشرط و قد ذكرنا قبل هذا بخلافه، و متى ذكر مصرفا يستوى فيه الغنى و الفقير، يعنى ذكر اسما يتناول الغنى و الفقير، فإن كانوا يحصون فذلك صحيح باعتبار أعيانهم، يريد به أنه يصح بطريق التمليك منهم، و إن كانوا لا يحصون، فهو باطل؛ لأنه لا يمكن تصحيحه وقفاً، لأنه لا يكون قصده الصدقة إذا كان يستوى فيه الغنى و الفقير، فلو صح صح بطريق التمليك و هم مجهولون؛ و التمليك من المجهول باطل، قال: إلا أن يكون فى لفظه ما يدل على الحاجة فيما بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالأغنياء و

الفقراء فيهم سواء و إن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح و يصرف إلى فقرائهم دون أغنيائهم؛ لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة في جواز تصحيح الكلام باعتباره. (المحيط البرهاني ۸/۹۹ ۴، ط: ادارة القرآن)

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: مطلب متى ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة .

(قوله: إن يحصون جاز) هذا الشرط مبنى على ما ذكره شمس الأئمة من الضابط و هو أنه إذا ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقة كالفقراء أو استعمالا بين الناس كاليتامى و الزمْنى؛ لأن الغالب فيهم الفقر فيصح للأغنياء و الفقراء منهم إن كانوا يحصون و إلا فلفقرائهم فقط، و متى ذكر مصرفا يستوى فيه الأغنياء و الفقراء فإن كانوا يحصون صح باعتبار أعيانهم و إلا بطل.

و روى عن محمد رحمه الله تعالىٰ أن ما لا يحصى عشرة و عن أبي يوسف مائة و هو المأخوذ به عند البعض، و قيل: أربعون، و قيل: ثمانون، و الفتوى أنه مفوض إلى رأى الحاكم إسعاف و بحر.

(الشامية ۴/۳٦۵،ط:ايچ ايم سعيد)

و قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ : ثم قال: متى ذكر موضع الحاجة على وجه يتأبد يكفيه عن ذكر الصدقة و كذا على أبناء السبيل أو الزَمْنىٰ ويكون للفقراء منهم. وفى الخلاصة والبزازية قال أبو حنيفة: إذا وقف مالا لبناء القناطر أو لاصلاح الطريق أو لحفر القبور أو لا تخاذ السِقَايات أو لشراء الاكفان لفقراء المسلمين لا يجوز بخلاف الوقف للمساجد لجريان العادة بالثانى دون الاول.

وقف على فقراء مكة أو فقراء قرية معروفة إن كانوا لا يحصون يجوز فى الحياة وبعد الممات لانه مؤبد وإن كانوا يحصون يجوز بعد الموت لانه

وصية والوصية لقوم يحصون تجوز حتى إذا انقرضوا صار ميراثا منهم وإن كان في الحياة لا يجوز. (البحر الرائق ۵/ ۳۳۲،ط:مكتبه رشيديه)

و قال الامام برهان الدين ابن مازه البخاري رحمه الله تعالىٰ : في فتاوى أبي الليث: إذا وقف داره على فقراء مكة أو على فقراء قرية إن كان الوقف في حياته أو صحته والفقراء يحصون لا يجوز هذا الوقف؛ لأن الوقف لا يجوز إلا مؤبداً وهذا لم يقع مؤبداً لجواز أنهم يموتون فينقطع الوقف وإن كان الفقراء لا يحصون جاز الوقف؛ لأنه وَقَفَ مؤبداً وإن كان الوقف بعد موته يجوز سواء كانوا يحصون أو لا يحصون أما إذا كانوا لا يحصون لأنه وقع موبداً و أما إذا كانوا يحصون فلأنه إن تعذر تجويزه وقفا امكن تجويزه وصيةً والوصية لقوم يحصون تجوز حتى إذا انقرضوا صار ميراثا عنهم.

(المحيط البرهاني،۸/ ۴۹۷ تا ۴۹۸،ط:ادارة القرآن)

لہٰذا اس پر ڈاکٹر صاحب کی جانب سے یہ تفریع کہ ”حضراتِ شافعیہ کی راجح روایت کے مطابق صرف اغنیاء پر وقف درست ہے کیونکہ یہ اگر چہ جہتِ قربت نہیں لیکن جہتِ معصیت بھی نہیں اور ان میں مالک بننے کی صلاحیت بھی ہے“......تسامح سے خالی نہیں، کیونکہ اس عبارت سے مطلق اغنیاء پر وقف کا درست ہونا ثابت نہیں ہوتا صرف پہلی صورت کا حکم ثابت ہوتا ہے لہٰذا ان کے اس تسامح سے تکافل کے اغنیاء (جو دوسری صورت میں داخل ہیں) کے لیے وقف کی صحت پر استدلال کسی کے لیے درست نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت اور ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ اور تسامح :

و إن لم يظهر قصد القربة كالوقف على الاغنياء فوجهان بناء على أن المرعي بالوقف على الموصوفين جهة القربة أم التمليك فحكى الامام عن المعظم: أنه القربة ...... و عن

القفال أنه قال: التمليک ، كالوصية و كالوقف على المعين ...... فإن قلنا بالاول لم يصح الوقف على الاغنياء و اليهود و النصارى و الفساق و الاصح الجميع ...... و الاشبه بكلام الاكثرين ترجيح كونه تمليكا و تصحيح الوقف على هؤلاء ...... لكن الأحسن توسط لبعض المتأخرين و هو تصحيح الوقف على الاغنياء و إبطاله على اليهود و النصارى و قطاع الطريق و سائر الفساق لتضمنه الاعانة على المعصية. (روضة الطالبين و عمدة المفتين ۵/۳۲۰،ط:مكتبه اسلامي بيروت)

ترجمہ : اگر وقف میں قربت کا قصد ظاہر نہیں ہے جیسے اغنیاء پر وقف تو اس میں دو رائے اس بنیاد پر ہوسکتی ہیں کہ متعین لوگوں پر وقف کرنے کی صورت میں قربت کے پہلو کی رعایت رکھی جائے گی یا تملیک کی؟ امام سے ایک روایت یہ ہے کہ قربت کے پہلو کی رعایت رکھی جائے گی قفال سے مروی ہے کہ تملیک کی رعایت رکھی جائے گی جیسے متعین لوگوں کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں تملیک کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اگر ہم پہلے قول کو لیں تو اغنیاء یہود و نصاریٰ اور فساق پر وقف جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہاں قربت نہیں پائی جارہی، اکثر شوافع نے تملیک کا لحاظ رکھنے کو ترجیح دی ہے اور ان سب پر وقف کو جائز قرار دیا ہے لیکن سب سے بہترین بات وہ ہے جو بعض متأخرین کا قول متوسط ہے کہ اغنیاء پر وقف تو جائز ہو اور یہود و نصاریٰ ڈاکوؤں اور دیگر فاسق لوگوں پر وقف درست نہ ہو کیونکہ اس میں گناہ میں تعاون لازم آتا ہے۔(اسلام کا نظام اوقاف: ۳۴۵، ۳۴۶)

دیکھیے ! اس عبارت میں خود ڈاکٹر صاحب نے اغنیاء پر وقف میں دو رائے اور صورتیں تحریر فرمائی ہیں:

(۱) اغنیاء معیّن ہوں اور رعایت جہتِ قربت کی رکھی گئی ہو۔
(۲) اغنیاء معیّن ہوں اور رعایت جہتِ تملیک کی رکھی گئی ہو۔
پہلی رائے اور صورت میں وقف نہ غنی کے لیے درست ہے نہ یہود و نصاریٰ اور فساق کے کے لیے درست ہے۔
دوسری رائے اور صورت میں اکثر شوافع کے نزدیک سب (اغنیاء اور یہود و نصاریٰ وغیرہ) کے لیے درست ہے اور بعض متاخرین کے قول کے مطابق صرف اغنیاء کے لیے جائز ہے اور یہود و نصاریٰ وغیرہ کے لیے درست نہیں۔
دیکھیے! ڈاکٹر صاحب کے ترجمہ کے مطابق یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ اغنیاء معیّن لوگ ہوں جس سے معلوم ہوا کہ اس عبارت میں ان اغنیاء پر وقف کا حکم مذکور ہے جن کی تعداد محدود اور معیّن ہے اور جہاں اغنیاء کی تعداد غیر محدود اور غیر معیّن ہو اِس عبارت میں اس کا حکم نہیں ہے اس لیے اس عبارت میں جو حکم ہے اس کو عام کرنا اور اغنیاء محدود ہوں یا غیر محدود سب کو حکم میں شامل کرنا تسامح ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محدود اور معیّن اغنیاء کی صورت میں جواز کا مدار بھی تملیک ہے جس پر تملیک اور وصیت کے الفاظ صراحۃً دلالت کر رہے ہیں لہٰذا اس کو وقف کا حکم دینا بھی تسامح ہے۔
وجہ نمبر ۲ کا حاصل : اس وجہ کے پیشِ نظر جب وقف ہی درست نہ ہوا تو شخص قانونی بھی نہ رہا اور جب شخص قانونی نہ رہا تو چندہ، چندہ دہندگان کی ملکیت میں بدستور باقی رہے گا، اگر وہ زندہ ہیں تو ان کو لوٹایا جائے ورنہ ان کے ورثاء کو، نیز ان رقوم کی زکوٰۃ بھی ان پر واجب ہوگی اور تکافل والوں کے لیے استعمال حرام ہوگا۔
وجہ نمبر ۳ : اغنیاء اور فقراء دونوں پر وقف کے جواز کی شرط کا نہ ہونا :
اگر کوئی کہے کہ تکافل میں اغنیاء اور فقراء دونوں پر وقف ہوتا ہے اور یہ جائز ہے تو یاد رہے کہ اس کا جواز اس شرط سے ہے کہ اغنیاء محصون اور محدود ہوں، جبکہ تکافل میں اغنیاء محصون اور محدود نہیں ہوتے، کمالا یخفی۔

لا یجوز الوقف علی الاغنیاء وحدھم و لو وقف علی الاغنیاء و ھم یحصون ثم بعدھم علی الفقراء یجوز و یکون الحق للاغنیاء ثم للفقراء کذا فی محیط السرخسی. (الھندیة ۳۶۹/۲، ط:رشیدیة)

قال العلامة الموصلی رحمه الله تعالیٰ : ولا یجوز الوقف علی الأغنیاء وحدھم لأنه لیس بقربة ولا یستجلب الثواب وصار کالصدقة ولو وقف علی الأغنیاء وھم یحصون ثم من بعدھم علی الفقراء جاز ویکون کما شرط لأنه قربة فی الجملة بأن انقرض الأغنیاء.

(الاختیار لتعلیل المختار ۵۱/۳،ط:دار الکتب العلمیة)

ڈاکٹر اعظمی صاحب کا تسامح : یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے اغنیاء کو عام رکھ کر جواز کے حکم کو اغنیاء کی دونوں قسموں خواہ معین ومحدود ہوں یا نہ ہوں، کو شامل کیا ہے، حالانکہ یہاں بھی یہ حکم صرف قسمِ اول یعنی محصون ہی کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ اوپر ہندیہ میں محیطِ سرخسی کے حوالے سے اس تخصیص کی تصریح موجود ہے۔

ڈاکٹر صاحب عنوان ''ابتداءً اغنیاء پر وقف ہو اور انتہاء فقراء پر اس کا حکم'' کے تحت لکھتے ہیں:

> اغنیاء پر وقف کے سلسلے میں یہ دو رائے اس وقت ہیں جب صرف اغنیاء پر وقف کیا جائے لیکن اگر ابتداءً اغنیاء پر وقف کیا جائے اور انتہاءً فقراء پر وقف ہو تو یہ بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جو حضرات جہتِ قربت کی شرط لگاتے ہیں وہ انتہاءً ہی لگاتے ہیں کہ وقف کی انتہاء ایسے مصرف اور جہت پر ہو جو قربت ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ ابتداءً بھی اس کا مصرف جہتِ قربت ہو بلکہ ابتداءً اس کے مصرف کا معصیت نہ ہونا کافی ہے۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

> **و فی المحیط لا یجوز الوقف علی الاغنیاء وحدھم و لو شرط بعد ھم للفقراء جاز.**

محیط میں تنہا صرف مالداروں پر وقف کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان کے بعد فقراء کے لیے وقف کی شرط لگائی ہو تو پھر یہ وقف جائز ہے۔

(اسلام کا نظامِ اوقاف ۳۴۶، ۳۴۷)

تسامح : یہاں البحر کی عبارت جو محیط سے نقل کی گئی ہے اس نقل میں تسامح ہوا ہے، محیط کی صحیح اور پوری عبارت وہ ہے جو ہندیہ کے حوالے سے اوپر منقول ہے، نیز وجہ نمبر۲ کے ضمن میں محیط برہانی کے حوالے سے مبسوط میں بیان کردہ ایک قاعدہ کی جو وضاحت کی گئی ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اغنیاء متعین اور محدود نہیں تو اغنیاء کے حق میں وقف درست نہیں۔ نیز **ولو شرط بعدھم للفقراء** میں لفظ ''**بعدھم**'' بھی اس طرف مشیر ہے کہ اس عبارت میں ''**الاغنیاء**'' کا الف لام عہدِ خارجی کے لیے ہے کہ وہ محدود اور متعین ہوں ورنہ غیر محدود اور غیر متعین کی صورت میں ''**بعدھم**'' کا لفظ صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ غیر محدود اور غیر متعین اغنیاء نہ کبھی ختم ہوں گے نہ فقراء کی باری آئے گی۔

وجہ نمبر ۳ کا حاصل : اس وجہ کا حاصل بھی یہی ہے کہ وقف ابتداء ہی سے صحیح اور درست نہیں لہٰذا جب وقف ہی صحیح نہ ہوا تو شخص قانونی بھی نہ رہا، اور جب شخص قانونی نہ رہا تو چندہ، چندہ دہندگان کی ملکیت میں بدستور باقی رہے گا، اگر وہ زندہ ہیں تو ان کو لوٹایا جائے ورنہ ان کے ورثاء کو، نیز ان رقوم کی زکوٰۃ بھی ان پر واجب ہوگی اور تکافل والوں کے لیے استعمال ناجائز اور حرام ہوگا۔

وجہ نمبر ٤ : متصدقین یا متضررین کو موقوف علیہم مان کر ان کے حکم میں غلطی کرنا :

حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ اور قانون بیان فرمایا ہے کہ جہاں واقف وقف کا مصرِف اور موقوف علیہم وصفِ کلی یعنی وصفِ عام کے ساتھ بیان کرے...... اس کی کل چار صورتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ یہ وصفِ کلی:

(۱)...... یا...... تو صرف اغنیاء کے ساتھ خاص ہوگا...... یا...... اغنیاء اور فقراء دونوں کے

ساتھ، حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اور ہر دو صورت میں یہ موقوف علیہم محدود و متعین ہونگے۔ جیسے واقف نے کہا کہ اس محلّہ کے اغنیاء کے لئے وقف ہے......یا......اس محلّہ کے جو حجاج ہیں ان کے لئے وقف ہے، اور محلے کے اندر ان کی تعداد سو (۱۰۰) کے اندر تھی یعنی محدود تھے۔

حکم: حکم اس کا یہ ہے کہ یہ وقف وصیت کے معنی میں صحیح ہو جائے گا، اور واقف کے مرنے کے بعد شےءِ موقوف اگر واقف کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہو تو پوری موقوف شیء، اگر تہائی سے زیادہ ہے تو بقدرِ تہائی ان محدود و متعین اغنیاء و فقراء پر تملیکاً (یعنی ان کو مالک بنا کر) تقسیم کی جائے گی۔

(۲) یا تو صرف اغنیاء کے ساتھ خاص ہوگا، یا فقراء اور اغنیاء دونوں کے ساتھ خاص ہوگا، حقیقۃً و عرفاً، اور ہر دو صورت میں یہ موقوف علیہم غیر محدود ہونگے۔ جیسے واقف نے کہا کہ یہ وقف اس بستی کے مزکین (زکوٰۃ دینے والوں) کے لئے ہے اور ان کی تعداد سو ڈیڑھ سو سے زیادہ تھی یعنی غیر محدود تھے، یا واقف نے کہا کہ اس بستی کے حجاج کے لئے وقف ہے، جبکہ حجاج اغنیاء و فقراء دونوں کی تعداد سو ڈیڑھ سو سے زیادہ تھی یعنی غیر محدود تھے۔

حکم: اس صورت میں یہ وقف باطل ہوگا، وقفاً بھی اور وصیۃً بھی۔

وقفاً اس لیے کہ جب مصرف اور موقوف علیہم میں غیر محدود اغنیاء بھی فقراء کے برابر شامل ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا قصد قربت اور ثواب کا نہیں جبکہ صحتِ وقف کے لیے قربت اور ثواب کی ایسی نیت شرط ہے جو عند الشرع معتبر ہو۔ اور جب مصرف صرف غیر محدود اغنیاء ہونگے تو بھی وقف درست نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں قربت اور ثواب کی نیت بطریق اولیٰ معتبر نہ ہوگی۔

اور وصیۃً اس لیے کہ وصیت کی صورت میں تملیکاً دینا ہوتا ہے اور تملیکِ مجہول باطل ہے اور غیر محدود کی صورت میں یہ اغنیاء و فقراء مجہول ہیں۔

(۳) یا یہ وصفِ کلی صرف فقراء کے ساتھ خاص ہوگا حقیقۃً و عرفاً، اور وہ محدود ہوں گے یا غیر محدود و غیر متعین ہونگے، جیسے واقف نے کہا کہ یہ وقف اس بستی کے حاجتمندوں کے لئے

ہے یا مساکین کے لئے یا جو صاحبِ نصاب نہیں ان کے لئے ہے، جبکہ اس بستی میں ان کی تعداد غیر محدود یعنی سوڈیڑھ سو سے زیادہ ہو یا محدود یعنی سوڈیڑھ سو یا اس سے کم۔

حکم: دونوں صورتوں میں یہ وقف صحیح ہے۔ محدود ہونے کی صورت میں ان کے ختم ہونے کے بعد یہ وقف دوسرے فقراء کے لیے ہوگا اور متولّی اپنی صوابدید پر دوسرے فقراء پر خرچ کرے گا۔

تنبیہ: بعض کتابوں میں محدود ہونے کی صورت میں اس وقف کو وصیت کہا گیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ یہ اس تفصیل کے مطابق وقف درست ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔

(۴) یا یہ وصف حقیقت کے اعتبار سے دونوں کے ساتھ خاص ہوگا اور عرف واستعمال کے اعتبار سے فقراء کے ساتھ خاص ہوگا، اور دونوں غیر محدود ہونگے، جیسے واقف نے کہا کہ اس بستی کے یتیموں یا بیواؤں یا اندھوں یا معذوروں کے لئے وقف ہے۔

حکم: اس صورت میں یہ وقف اغنیاء کے لیے باطل ہوگا ''وقفاً'' بھی اور ''وصیۃً'' بھی۔ جبکہ فقراء کے لئے عرفی معنی کے اعتبار سے صحیح ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں اغنیاء پر خرچ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

تکافل میں متصدقین ومتضررین ایسے الفاظ ہیں جو حقیقۃً وعرفاً اغنیاء وفقراء دونوں کو شامل ہیں لہٰذا اب اگر یہ متصدقین ومتضررین محدود ومتعین افراد ہوں گے تو یہ وقف ان کے لیے وصیت ہے جو ان واقفین کی وفات کے بعد ان پر تملیکاً تقسیم کیا جائے گا، جیسا کہ صورت نمبر ا میں گزرا۔

اگر غیر محدود ہیں تو سرے سے یہ وقف ہی صحیح نہیں، بلکہ باطل ہے، جیسا کہ صورت نمبر ۲ سے معلوم ہوا، لہٰذا نہ ان پر تملیکاً خرچ کیا جاسکے گا اور نہ ہی وقفاً۔ جبکہ تکافل کے منتظمین اس شرعی حکم کے خلاف اپنی رقوم کو وقف سمجھ کر وقف حوض کو شخص قانونی بنا رہے ہیں۔ جب وقف ہی درست نہ ہوا، تو شخص قانونی خود بخود ختم ہوا، اور اس کے ختم ہونے سے لازم آیا کہ چندہ دینے والوں کا چندہ ان کی ملکیت سے خارج نہ ہوا، کیونکہ چندہ کا کسی کی مِلک سے خروج اور

نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے کی مِلک میں چلا جائے، اور یہاں وہ دوسرا تو شخص قانونی ہے، جب وہ نہ رہا تو نہ تملیک رہی اور نہ تملک، لہٰذا آج تک جن لوگوں سے چندہ لے چکے ہیں ان سب کو واپس کرنا تکافل کے منتظمین کے ذمہ شرعاً لازم ہے، اور اس چندہ کا استعمال حرام ہے۔ اگر کوئی مر گیا تو ان کے ورثاء کو یہ رقم دینا ضروری ہے اور آج تک جو زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے ان کے ذمہ اب زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی لازم ہے۔

اگر کوئی کہے کہ متضررین کا لفظ اگر چہ حقیقۃً غنی اور فقیر دونوں کو شامل ہے، لیکن عرفاً اور استعمالاً فقراء کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا صورت نمبر ۴ کی تفصیل کے مطابق یہ وقف صحیح ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بھی لکھا ہے کہ جس لفظ کے حقیقی معنی میں اشتراک ہو، اور عرفی میں نہ ہو، تو ایسی صورت میں اگر اغنیاء اور فقراء کی تعداد محصون (محدود ومتعین) ہے، تو حقیقی معنی جس میں اشتراک ہے، کا لحاظ کرتے ہوئے یہ وقف وصیت کے معنی میں ہوگا اور واقف کی موت کے بعد تفصیلِ بالا کے مطابق ان متعین افراد پر تملیکاً تقسیم ہوگا اگر محصون، محدود ومتعین نہیں تو پھر عرفی معنی کے لحاظ سے یہ وقف صحیح ہوگا اور موقوف علیہم صرف فقراء ہوں گے لہٰذا وقف کا سارا غلہ اور آمدنی ان فقراء پر خرچ ہوگا، اغنیاء پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ صورت نمبر ۴ میں گزرا۔

لہٰذا تکافل میں اگر متضررین کو معترض کی تفصیل کے مطابق تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ وقف غیر محدود وغیر متعین ہونے کی صورت میں صرف متضررین فقراء کے لیے ہوگا نہ کہ اغنیاء کے لیے، جبکہ تکافل کے اکثر بلکہ کل متضررین اغنیاء ہی ہوتے ہیں جن کے لیے وقف ہی صحیح نہیں۔

قال العلامة السرخسي رحمه الله تعالىٰ : والحاصل أنه متى ذكر مصرفا فيه تنصيص على الفقر والحاجة فهو صحيح سواء كانوا يحصون أولا يحصون لأن المطلوب وجه الله تعالى ومتى ذكر مصرفا يستوي فيه الأغنياء

والفقراء فإن كانوا يحصون فذلک صحيح لهم باعتبار أعيانهم وإن كانوا لا يحصون فهو باطل إلا أن يكون فى لفظه ما يدل على الحاجة استعمالا بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالفقراء والأغنياء فيه سواء وإن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح وتصرف إلى فقرائهم دون أغنيائهم لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة فى جواز تصحيح الكلام باعتباره وتمام بيان هذه الفصول فى كتاب الوصايا. (المبسوط ۱۲/ ۳۷،ط:دار احياء التراث العربى)

و قال الامام برهان الدين ابن مازه البخارى رحمه الله: الحاصل فى جنس هذه المسائل أنه متى ذكر مصرفاً فيه تنصيص على الفقروالحاجة فالوقف صحيح سواء كانوا يحصون أو لا يحصون (قوله سواء كانوا يحصون أو لا يحصون) يشير إلى أن التأبيد ليس بشرط وقد ذكرنا قبل هذا بخلافه، ومتى ذكر مصرفايستوى فيه الغنى والفقير، يعنى ذكراسما يتناول الغنى والفقير، فإن كانوا يحصون فذلک صحيح باعتبار أعيانهم، يريد به أنه يصح بطريق التمليک منهم، وإن كانوا لا يحصون، فهو باطل؛ لأنه لا يمكن تصحيحه وقفاً، لأنه لا يكون قصده الصدقة إذا كان يستوى فيه الغنى والفقير، فلو صح صح بطريق التمليک و هم مجهولون؛ و التمليک من المجهول باطل، قال: إلا أن يكون فى لفظه ما يدل على الحاجة فيما بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالأغنياء والفقراء فيهم سواء وإن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح ويصرف إلى فقرائهم دون أغنيائهم؛ لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة فى جواز تصحيح الكلام باعتباره.

(المحيط البرهانى ۸/ ۴۹۹،ط:ادارة القرآن)

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ :مطلب متى ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة .

(قوله : إن يحصون جاز) هذا الشرط مبنى على ما ذكره شمس الائمة من الضابط وهو أنه إذا ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقة كالفقراء أو استعمالا بين الناس كاليتامى والزمنى ؛ لأن الغالب فيهم الفقر فيصح للأغنياء والفقراء منهم إن كانوا يحصون وإلا فلفقرائهم فقط، ومتى ذكر مصرفا يستوى فيه الأغنياء والفقراء فإن كانوا يحصون صح باعتبار أعيانهم وإلا بطل.

وروى عن محمد رحمه الله تعالىٰ أن ما لا يحصى عشرة وعن أبى يوسف مائة وهو المأخوذ به عند البعض وقيل أربعون وقيل ثمانون والفتوى أنه مفوض إلى رأى الحاكم إسعاف وبحر.

(الشامية ۳۶۵/۴،ط:ایچ ایم سعید)

و قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ : ثم قال: متى ذكر موضع الحاجة على وجه يتأبد يكفيه عن ذكر الصدقة وكذا على أبناء السبيل أو الزَمْنىٰ ويكون للفقراء منهم. وفى الخلاصة والبزازية قال أبو حنيفة: إذا وقف مالا لبناء القناطر أو لاصلاح الطريق أو لحفر القبور أو لا تخاذ السِقَايات أو لشراء الاكفان لفقراء المسلمين لا يجوز بخلاف الوقف للمساجد لجريان العادة بالثانى دون الاول.

وقف على فقراء مكة أو فقراء قرية معروفة إن كانوا لا يحصون يجوز فى الحياة وبعد الممات لانه مؤبد وإن كانوا يحصون يجوز بعد الموت لانه وصية والوصية لقوم يحصون تجوز حتى إذا انقرضوا صار ميراثا منهم وإن كان فى الحياة لا يجوز. (البحر الرائق ۲۳۲/۵،ط:مکتبہ رشیدیہ)

و قال الامام برهان الدين ابن مازه البخارى رحمه الله تعالىٰ : فى فتاوى أبى الليث: إذا وقف داره على فقراء مكة أو على فقراء قرية إن كان الوقف فى حياته أو صحته والفقراء يحصون لا يجوز هذا الوقف؛ لأن الوقف لا

يـجـوز إلا مـؤبداً وهذا لم يقع مؤبداً لجواز أنهم يموتون فينقطع الوقف وإن كـان الـفـقـراء لا يحصون جاز الوقف؛ لأنه وَقَفَ مؤبداً وإن كان الوقف بعد مـوتـه يـجوز سواء كانوا يحصون أو لا يحصون أما إذا كانوا لا يحصون لأنه وقـع مـوبداً وأما إذا كانوا يحصون فلأنه إن تعذر تجويزه وقفا امكن تجويزه وصيةً والوصية لقوم يحصون تجوز حتى إذا انقرضوا صار ميراثا عنهم.

(المحيط البرهاني،۸/۴۹۷ تا ۴۹۸،ط:ادارة القرآن)

اشــکــال : مبسوطِ سرخسی کے ضابطہ اور بحر و محیط برہانی کے ان دو جزئیات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ میں فقراء محصون ہوں یا محصون نہ ہوں ہر دو صورت میں وقف کو صحیح کہا گیا ہے، جبکہ ان دو جزئیات میں محصون کی صورت میں وقف کو درست نہیں کہا، بلکہ اس کو وصیت کے معنی میں لیا ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟

جواب : (۱) وقف میں تابید کی شرط میں اختلاف ہے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحتِ وقف کے لیے شرط نہیں جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرط ہے، اس اختلاف کے پیشِ نظر جواب یہ ہے کہ مبسوط کا قاعدہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر مبنی ہے اور یہ جزئیات امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر مبنی ہیں۔

(۲) بعض نے فرمایا ہے کہ تابید دونوں اماموں کے نزدیک صحتِ وقف کے لیے شرط ہے، اختلاف اس میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لفظِ وقف سے خود بخود تابید ثابت ہو جاتی ہے اس کے لیے جدا اور مستقل الفاظ کی ضرورت نہیں جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک ایسے الفاظ نہ کہے جائیں جو صراحۃً تابید پر دلالت کرتے ہوں، لفظِ وقف سے تابید ثابت نہیں ہوگی۔ اس تفصیل کے پیشِ نظر جواب یہ ہے کہ مبسوط کا ضابطہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر مبنی ہے اور اس میں تابید لفظِ وقف سے ثابت ہے اور یہ دو جزئیات امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر مبنی ہیں کیونکہ ان میں تابید پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے۔

قال الامام برهان الدين ابن مازه البخاري رحمه الله تعالىٰ : وكذلك التأبيد شرط عند محمد رحمه الله تعالىٰ حتى لو وقف على جهة يتوهم انقطاعها بأن وقف على أولاده، وأولاد أولاده ولم يجعل آخره للفقراء لا يصح الوقف عند محمد رحمه الله تعالى وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ التأبيد ليس بشرط حتى إن في هذه المسألة يصح الوقف عنده وإذا ماتوا وانقرضوا يعود إلى ملكه إن كان حياً وإلى ملك ورثته إن كان ميتاً والخلاف على هذا الوجه مذكور في شرح الطحاوي وفي شرح شمس الأئة السرخسي رحمهما الله وقد ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ في آخر كتاب الوقف: أن الوقف المؤقت باطل ولم يذكر فيه خلافاً فيحمل ذلك على أنه قول محمد رحمه الله تعالىٰ : وإن كان على الوفاق فهو إحدى الروايتين عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ فقد روى الحسن بن ابي مالك عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: أن الوقف المؤقت باطل.

و بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ قالوا: لا خلاف في أن التأبيد شرط صحة الوقف وإنما الخلاف في تلك المسألة في شيء آخر أن عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يثبت التأبيد بنفس الوقف من غير اقتران شيء آخر به وعند محمد رحمه الله تعالىٰ لا يثبت التأبيد بنفس الوقف ما لم يجعل آخره للمساكين أو الفقراء ولما كان من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أن التأبيد يثبت بنفس الوقف فإذا مات أولاده وانقرضوا تصرف الغلة إلى الفقراء. وهذا القائل يقول ما ذكر في شرح الطحاوي وفي شرح شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ : أنه إذا مات أولاده يعود إلى ملكه خطأ.

(المحيط البرهاني ۸/۲۹۲،ط:ادارة القرآن)

و في الهندية : ومنها التأبيد وهو شرط على قول الكل ولكن ذكره ليس بشرط عند أبي يوسف رحمه الله تعالى وهو الصحيح هكذا في الكافي .

(الفتاوى الهندية ۱/۳۵٦،ط:رشيديه)

تنبیه (۱) : غیر محصون کی تعداد میں کئی اقوال ہیں: دس، چالیس، اسی، سو، لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ یہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ یعنی حاکم وقف کے حجم اور حیثیت کو دیکھے گا، اور محصون کی اُس مقدار اور تعداد کو نافذ کرے گا جس کو دینے کے بعد فقراء کو ملنے کا ظنِ غالب ہو۔

حاصل یہ ہے کہ محصون کی وہ تعداد جائز ہے جس کے ساتھ فقراء کو ملنے کا عادۃً امکان ہو۔ اور وہ تعداد محصون سے خارج ہے جس کے بعد فقراء کو عادۃً ملنے کا امکان نہ رہے، یعنی محصون اس قدر ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے فقراء کو ملنے کا امکان ہو، یا ان کے ختم ہونے پر عادۃً فقراء کو ملے۔ اور ایسی صورت جس میں عادۃً ان محصون کا خاتمہ ممکن ہی نہ ہو کہ فقراء کو مل سکے تو اس کو محصون نہیں کہا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : و روی عن محمد ان ما لايحصى عشرة ، و عن ابی يوسف رحمه الله تعالىٰ مائة و هو المأخوذ به عند البعض، و قيل أربعون، و قيل ثمانون، و الفتوى أنه مفوض الى رأى الحاكم اسعاف و بحر. (الشامية ٦/٥٦٠، ط:رشيدية)

تنبیه (۲) : محصون (محدود و متعین) کی تفصیل بالا کے پیشِ نظر معلوم ہوا کہ تکافل میں اغنیاء محصون نہیں ہیں۔ کیونکہ اولاً: ان کی تعداد اس گنتی سے زیادہ ہے۔ ثانیاً: تکافل کمپنی کا اعلان بلکہ پُر زور دعوت ہے کہ جتنے اغنیاء بھی تکافل کی پالیسی لے کر موقوف علیہم میں داخل ہونا چاہیں داخل ہو جائیں۔

وجه نمبر ٤ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل بھی یہی ہے کہ ابتدا سے یہ وقف ہی درست نہیں لہٰذا وقف فنڈ جو شخص قانونی ہے نہ رہا اور چندہ، چندہ دہندگان کی ملک میں باقی رہا پس تکافل والوں پر واجب ہے کہ ان سب کو چندہ کے نام سے دی ہوئی رقم کو واپس کریں اگر وہ زندہ نہیں تو ان کے ورثاء کو واپس کریں، تکافل والوں کے لیے اس چندہ کی رقوم میں سے کھانا اور استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

وجہ نمبر ۵ : مونت کی شرط لگاکر اس کے حکم کی مخالفت کرنا :

شيءموقوف سے انتفاع اور غلہ وآمدنی حاصل کرنا اگر کسی مؤونت (مشقت اور کچھ خرچ کرنے) پر موقوف ہو کہ جب تک یہ مؤونت اور خرچہ نہ ہوگا شيءموقوف سے موقوف علیہ کا انتفاع اور آمدنی کا استعمال ممکن نہ ہوگا تو ایسی صورت میں موقوف علیہم کے ذمہ اس مؤونت اور خرچہ کی شرط لگانا جائز ہے جس پر اصلاحِ غلہ وآمدنی کا مدار ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس مؤونت کی صورت میں اگر مستقل کوئی عین اور شے وجود میں آ گیا تو یہ صاحبِ مؤونت کی ملک ہوگی جس میں میراث بھی جاری ہوگی جیسے مکان پورے کا پورا ذاتی رقم سے بنوایا، یا کوئی خاص کمرہ بنوایا تو یہ اس کا مالک ہوگا اور اس بناء میں میراث بھی جاری ہوگی البتہ رنگ وروغن جس کا مستقل وجود نہیں وقف کا تابع ہوگا۔ تکافل میں پہلی صورت بنتی ہے یعنی اس کا عین باقی رہتا ہے کیونکہ چندہ دینے والے کا چندہ مستقل عین کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا وقف فنڈ (شخص قانونی) اس کا مالک نہ ہوگا، اور چندہ بدستور چندہ دہندگان کی ملک میں باقی رہے گا، اور اس میں زکوٰۃ اور میراث وغیرہ کے احکام بھی جاری ہونگے۔ جیسا کہ سابق میں معلوم ہو چکا۔

فی الهندية: فان انفق صاحب السكنى من خالص ماله فی عمارة الوقف فما كان من العمارة شيئا قائما بعينه فهو لورثته و لهم ان يأخذوا ان لم يضر ذلك الوقفَ، كذا فی الحاوی، و يقال لورثته: ارفعوا بناء كم فان رفعوه، و الا يجبروا، و ان ملكوه الموقوف عليه بعد ذلك بالقيمة جاز بتراضيهم و ان أبى أحد الفريقين ذلك لايجبر عليه، كذا فی المحيط. و ما لا يكون شيئا قائما بعينه فلا شئ لورثته، كذا فی الحاوی. (الهندية ۲/۳۶۸،ط:رشيديه)

وجہ نمبر ۵ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر وقف کو صحیح مان بھی لیا جائے تو

بھی لوگوں کے دیے ہوئے چندوں کا مالک نہیں ہوگا اور اس کو جو چندہ دیا گیا ہے وہ دینے والوں کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگا لہٰذا اہل تکافل کے لیے اس کا استعمال ناجائز اور حرام ہے اوران پر واجب ہے کہ آج تک جتنے لوگوں سے چندہ کے نام پر جتنی رقم وصول کی ہے پوری کی پوری ان کو واپس کریں۔

وجہ نمبر ٦ : موقوف علیھم کو وصف کلی سے ذکر کرنے کے بعد شیء موقوف کا غلہ اور آمدنی اغنیاء پر خرچ کرنا:

موقوف علیھم کا ذکر جب وصفِ کلی کے ساتھ ہو جو غنی اور فقیر دونوں کو شامل ہو تو شےء موقوف کے عین سے بعض صورتوں میں غنی اور فقیر دونوں کے لیے نفع حاصل کرنا جائز ہوتا ہے جیسے مسجد، مسافر خانہ، مقبرہ وغیرہ مثلاً کسی نے کہا کہ یہ مسافر خانہ حجاج کے لیے وقف ہے، یا یہ مقبرہ فلاں محلے کے لیے وقف ہے، تو تمام حجاج خواہ غنی ہوں یا فقیر اور اہلِ محلّہ خواہ غنی ہوں یا فقیر منتفع ہو سکتے ہیں۔ لیکن شےء موقوف کے غلہ سے بتصریحِ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ صرف فقراء ہی نفع حاصل کر سکتے ہیں، اغنیاء کے لیے جائز نہیں۔ جیسا کہ حجاج کے لئے وقف مسافر خانہ کو کرایہ پر دیا گیا تو اب حاصل شدہ غلۂ وقف یعنی کرایہ صرف فقراء پر ہی خرچ ہوگا، اغنیاء پر خرچ کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر مقبرہ کی زائد زمین پر کھیتی باڑی کی گئی، تو اس کی آمدن اور غلہ بھی صرف فقراء پر خرچ ہوگا، اغنیاء پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ جبکہ تکافل میں غلہ ہی اغنیاء پر خرچ ہوتا ہے کیونکہ نقودِ موقوفہ کے عین سے تو انتفاع ممکن ہی نہیں۔

فی مجمع الانھر : فلو وقف وقفا على الفقراء أو بنى سقاية أو خانا أو رباطا لبنى السبيل .... أو جعل أرضه مقبرة............ولو جعل أرضه طريقا فهو على هذا الخلاف ثم لا فرق فى الانتفاع فى مثل هذه الأشياء بين الفقير والغنى إلا فى الغلة حتى لا يجوز الصرف إلا للفقراء وكذا لو وقف أرضا لتصرف غلتها إلى الحجاج أو الغزاة أو طلبة العلم لا تصرف إلى الغنى منهم كما فى المحيط. (مجمع الانهر ٢/٧٦٣، ط: دار احياء التراث العربى)

و قال العلامة السرخسي رحمه الله تعالي : وكذلك إن جعلها سكنى للغزاة والمرابطين في ثَغْر من الثُغُور أو جعل غلة أرضه للغزاة في سبيل الله تعالي ودفع ذلك إلي ولي يقوم به فهو جائز ولا سبيل له إلي رده لأنه قصد التقربَ بما صنع فأما السكنى فلا بأس بأن يسكنها الغني والفقير من الغزاة والمرابطين والحاج وكذلك نزول الخان والدفن في المقبرة فأما الغلة التي جعلت للغزاة فلا يعجبني أن يأخذ منها إلا محتاج إليها لأن الغلة مال يملك والتقرب إلي الله تعالي بتمليك المال يكون من المحتاج خاصة دون الغني بخلاف السكنى .

وحقيقة المعنى في الفرق أن الغني مستغن عن مال الصدقة بمال نفسه وهو لا يستغني بماله عن الخان لينزل فيه وعن الدفن في المقبرة فلا يمكنه أن يتخذ ذلك في كل منزل وربما لا يجد ما يستأجره فلهذا يستوى فيه الغني والفقير وهو نظير ماء السقاية والحوض والبئر فإنه يستوى فيه الغني والفقير لهذا المعنى و لأن الماء ليس بمال قبل الإحراز والناس يتوسعون فيه عادة ولا يخصون به الفقراء دون الأغنياء بخلاف المتصدق بالمال

ثم الواقف وإن أطلق الغزاة في سبيل الله فمراده التقرب وذلك بصرف المال إلي المحتاجين منهم وفي اللفظ ما يدل عليه شرعا، قال الله تعالى من أصناف الصدقات ﴿ وفي سبيل الله ﴾ثم يصرف الصدقة إلى الفقراء من الغزاة دون الأغنياء .(المبسوط۱۲/۳۷،ط:دار احياء التراث العربى)

وجہ نمبر ۶ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ شی موقوف کے عین سے بعض صورتوں میں اغنیاء غیر محدود وغیر متعین کو بھی فائدہ اٹھانا جائز ہے جیسے مسافر خانہ، قبرستان، کنویں کا پانی وغیرہ لیکن اس کے غلہ اور آمدنی کو غیر محدود وغیر معین اغنیاء پر خرچ کرنا جائز نہیں،

تکافل میں بھی چونکہ اغنیاء غیر محدود ہوتے ہیں اور شی موقوف جو کہ نقود (کرنسی) ہے کے عین کی بجائے اس کے غلہ اور آمدنی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اس لیے یہاں تکافل میں بھی

اغنیاء پر خرچ کرنا ناجائز اور حرام ہوگا۔

تکافل کے منتظمین پر واجب ہے کہ اس کی آمدنی کو صرف فقراء پر خرچ کریں۔اغنیاء پر خرچ کرنا جائز نہیں۔

وجہ نمبر ۷ : اوصاف استحقاق عن الوقف کی مخالفت :

موقوف علیہم میں داخل ہونے اور استحقاق عن الوقف کے لیے جن اوصاف کو واقف مدار بناتا ہے،ان کی تین ہی قسمیں ہیں۔

(۱) **وصف لا یزول ابدا:** ایسا وصف جو کبھی زائل ہونے والا نہ ہو۔جیسے اندھاپن، بہراپن، لنگڑاپن، وغیرہ وغیرہ.....مثلاً.....کسی نے کہا کہ یہ مکان اندھوں کے لیے یا بہروں کے لیے وقف ہے،اس کا غلہ اور آمدنی ان پر خرچ کی جائے۔

(۲) **وصف یزول ولا یعود:** یعنی زائل ہوتا ہو لیکن زوال کے بعد واپس نہیں آتا ہو۔ ...مثلاً.....صغر، یتم وغیرہما۔جیسے.....واقف نے کہا کہ یہ مکان نابالغ یا یتیم بچوں کے لیے وقف ہے۔اور اس کا غلہ اور آمدنی ان پر صرف کیا جائے۔

(۳) **وصف یزول و یعود :** یعنی ایسا وصف جو زائل بھی ہوتا ہو اور زوال کے بعد واپس بھی ہوتا ہو.....مثلاً.....فقر، مرض وغیرہما، جیسے.....کسی نے کہا کہ یہ مکان وقف ہے فقراء یا بیماروں کے لیے،اس کا غلہ اور آمدنی ان پر صرف کیا جائے۔

حکم :ان اقسامِ ثلاثہ میں سے پہلی دو قسموں کا حکم یہ ہے کہ جن افراد میں بوقتِ وقف یہ وصف پایا جائے گا وہ مستحق غلہ و آمدنی ہوگا۔یعنی واقف کے وقف کرتے وقت جو اندھا، بہرا اور لنگڑا ہوگا وہ مستحقِ غلہ ہوگا،اس کے بعد جو اندھا، بہرا اور لنگڑا ہوگا وہ نہ موقوف علیہم میں داخل ہوگا اور نہ مستحقِ غلہ ہوگا۔

تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ بوقتِ حصولِ غلہ جن میں یہ وصف ہوگا وہ موقف علیہم میں داخل اور مستحقِ غلہ و آمدنی ہوگا۔اگرچہ بوقتِ وقف ان میں یہ وصف نہ ہو لیکن حصولِ غلہ کے وقت جو اس صفت سے متصف ہوگا وہ موقوف علیہم بن سکے گا،....مثلاً....کوئی کہے کہ یہ مکان

اس محلے کے فقراء کے لیے وقف ہے تو بوقتِ وقف اگر چہ وہ فقیر نہ ہو لیکن حصولِ غلہ کے وقت وہ فقیر ہو تو غلہ کا مستحق ہوگا، اسی طرح اگر بوقتِ وقف فقیر ہے لیکن حصولِ غلہ کے وقت فقیر نہیں تو مستحق نہ ہوگا۔

فی الهندية: و الحاصل أن الاستحقاق اذا كان ثابتا بصفة لا تزول، أو تزول و لكنها لا تعود بعد الزوال، يعتبر فی الاستحقاق قيام تلك الصفة وقت الوقف، واذا كان الاستحقاق ثابتا بصفة تزول وتعود بعد الزوال يعتبر فی الاستحقاق قيام تلك الصفة وقت مجئ الغلة، كذا فی المحيط.(الهندية، كتاب الوقف ۲/۳۷۳، ط: رشيدية)

تنبیہ : اگر وصف یزول و یعود کو مضارع اور مستقبل کے صیغے سے ذکر کر کے مدارِ استحقاق بنایا جائے تو پھر وقتِ وقف کے بعد جن میں یہ وصف پیدا ہوگا اور وقتِ حصولِ غلہ تک باقی رہے گا، صرف وہی مستحق اور موقوف علیہم ہوں گے، وقف سے پہلے جن میں یہ وصف ہوگا وہ مستحق اور موقوف علیہم نہ ہوں گے۔

فی الهندية : و لو قال: وقفت على من يسلم من ولدی، أوعلى من يتزوج من ولدی، يدخل فيه كل من أسلم، و تزوج بعد الوقف، لا من كان مسلما، أو متزوجا يوم الوقف كذا فی محيط السرخسی. (الهندية ۲/۳۷۳،ط:رشيدية)

پاک قطر تکافل وغیرہ میں موقوف علیہم میں داخل ہونے اور استحقاق عن الوقف کے اس مدار کی خلاف ورزی کی جاتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس تکافل میں دو وصف نظر آ رہے ہیں۔

(۱) تصدق (چندہ دینا) (۲) تضرر (ضرر پہنچنا)

ان دو وصفوں میں سے جس کو بھی استحقاق عن الوقف کا مدار بنایا جائے تکافل میں اس مدار کے حکم کی مخالفت کی جاتی ہے .... چنانچہ اگر چندہ دینے کے وصف کو مدار بنایا جائے تو.... اولاً.... تو چندہ دینا ایک مؤونت ہے، اور مؤونت کے استحقاق عن الوقف کا مدار ہونے کا

قول باوجود تتبع وتلاشِ بسیار کے ہمیں نہ مل سکا، لہٰذا قائلینِ جواز سے گزارش ہے کہ اس کا حوالہ مرحمت فرمائیں۔......ثانیاً..... بالفرض اگر چندہ دینے کے وصف کو استحقاق عن الوقف کا مدار مان بھی لیا جائے تو یہ وصف یا تو قسمِ اول وثانی کے قبیل سے ہوگا یا قسمِ ثالث کے قبیل سے۔ اگر اول وثانی کے قبیل سے ہے تو ان کے موقوف علیہم میں داخل ہونے اور استحقاق عن الوقف ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بوقتِ وقف یہ وصف موقوف علیہم میں موجود ہو، جبکہ ظاہر ہے کہ تکافل میں بوقت وقف اور قیامِ حوضِ وقف ایک بھی چندہ دینے والا نہیں تھا لہٰذا بعد میں چندہ دینے والوں کو مستحق ٹھہرانا، اس مدار اور حکمِ شرعی کی مخالفت ہے۔

اگر قسمِ ثالث کے قبیل سے ہے تو بوقتِ حصولِ غلہ وآمدنی بالفعل جن افراد میں چندہ دینے کا وصف ہوگا، صرف وہی موقوف علیہم میں داخل اور مستحق عن الوقف ہونگے۔ اس سے پہلے چندہ دینے والے موقوف علیہم نہیں ہونگے۔ جبکہ تکافل میں اس مدار اور حکمِ شرعی کی بھی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ اہلِ تکافل کے نزدیک سارے چندہ دینے والے موقوف علیہم میں داخل اور مستحق ہوتے ہیں اگرچہ ان میں بوقتِ حصولِ غلہ یہ وصف نہ بھی ہو۔

اور اگر ضرر کو مدار بنایا جائے تو اس کی مخالفت بھی ظاہر ہے، کیونکہ اس کا قسمِ ثالث میں داخل ہونا واضح ہے جس کا حکم یہ ہے کہ بوقتِ حصولِ غلہ جن کو ضرر پہنچے گا صرف وہی مستحق ہوں گے، اس سے پہلے یا بعد میں ضرر پہنچنے والے موقوف علیہم میں داخل اور مستحق عن الوقف نہیں ہونگے، جبکہ تکافل میں اس کی خلاف ورزی ظاہر ہے، کیونکہ وہ آگے اور پیچھے متضررین کو بھی موقوف علیہم میں داخل سمجھ کر ان پر غلہ اور آمدنی خرچ کرتے ہیں، جبکہ حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ جو فقیر حدوثِ غلہ سے قبل وقف سے کچھ لے کر حاجت پوری کرلے پھر حدوثِ غلہ سے قبل غنی ہوگیا تو اس پر لیا ہوا مال واپس کرنا لازم ہے۔

قال العلامة ابن مازة رحمه الله تعالىٰ : في فتاوى الفضل: امرأة أخذت نصيبها من الوقف على وجه الحاجة ثم استغنت إن استغنت قبل حدوث الغلة فعليها أن ترد وإن استغنت بعد حدوث الغلة لا ترد وإن كان ذلك قبل

الإدراک؛ لأن الحق إنما یثبت عند حدوث الغلة.

(المحیط البرھانی ۹/۱۰۱، ط:ادارۃ القرآن)

وجہ نمبر ۷ کا حاصل : اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ تکافل کا یہ وقف.... یا....تو سرے سے صحیح ہی نہیں کیونکہ اس کے صحت کے لیے موقوف علیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ تصدق کی صورت میں موقوف علیہ کا وجود نہیں ..... یا.....وقف تو صحیح ہے لیکن اس کا خرچ کرنا صحیح نہیں کیونکہ تضرر کی صورت میں استحقاق کے لیے تضرر بوقتِ حدوث غلہ ضروری ہے جبکہ تکافل میں اس کو ضروری نہیں سمجھا جاتا.....لہٰذا تکافل کے منتظمین پر واجب ہے کہ....عدمِ صحتِ وقف... کی صورت میں چندہ، دہندگان کو واپس کریں خود ان کے لیے استعمال کرنا حرام ہے اور....شرطِ استحقاق.....کا لحاظ نہ کرنے کی صورت میں خود وقف کے انتظامات اور تولیت سے الگ ہو کر کسی متدین اور وقف کے مسائل جاننے والے کو متولی اور منتظم بنائے۔

وجہ نمبر ۸ : "شرط الواقف کنص الشارع" کا غلط استعمال :

حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اتفاقاً اس شرط کی تین قسمیں بنائی ہیں :

(۱) شریعت کے مطابق ہو اور وقف کے لیے مفید بلکہ مفید تر ہو۔

(۲) خلافِ شرع ہو۔

(۳) شریعت کے مطابق ہو لیکن اس کے خلاف کرنے میں وقف کا فائدہ ہو۔

اس قول (شرط الواقف کنص الشارع) کا محمل اور مصداق صرف قسمِ اول ہے، یعنی وہ شرائط جو خلافِ شرع نہ ہوں اور وقف کے لیے مفید بلکہ مفید تر ہوں، ان کا نبھانا نص شارع کی طرح ضروری ہے، جیسے کسی نے مکان فقراء کے لیے وقف کیا کہ اس کا غلہ صرف فقراء کو دیا جائے اب فقر کی شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غنی کو شامل کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری اور تیسری قسم اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی اس قول کا محمل اور مصداق نہیں۔لہٰذا دوسری قسم کی اگر واقف نے شرط لگائی ہو تو اس کا پورا کرنا ناجائز ہے اور خلاف کرنا واجب۔مثلاً کسی نے مکان کو شراب خانے کے لیے وقف کیا کہ اس مکان یا غلہ کو شراب کے عام کرنے میں استعمال

کیا جائے تو یہ شرط واجب الترک ہے اور اس مکان کا غلہ مساکین پر صرف کیا جائے گا۔

تیسری قسم کی شرط کا نبھانا جائز تو ہے لیکن ضروری نہیں، لہٰذا اس کو لازم اور ضروری سمجھنا خلاف شرع اور ناجائز ہے، اس لئے اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ وقف کا متولی زید ہوگا اور قاضی کی نظر میں وقف کے لیے کوئی دوسرا شخص مفید تر ہو تو اس شرط کے خلاف کر کے دوسرے کو متولی بنانا جائز ہے۔

اسی طرح حضرات فقہاء کرام نے ایک مثال یہ بھی دی ہے کہ اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ فقراء کو گوشت خرید کر دیا جائے تو اس شرط کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں بلکہ موقوف علیہ اور مستحق کو اختیار ہے کہ غلہ نقد کی صورت میں لے یا گوشت کی صورت میں اس کو کسی خاص صورت پر مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: و الحاصل أن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة لا أنه يتصرف كيف شاء فلو فعل ما يخالف شرط الواقف فانه لا يصح الا لمصلحة ظاهرة. (البحر الرائق ۳۷۹/۵، ط: رشيديه)

و قال أيضا: و مقتضى قواعد المذهب أن للقاضي أن يستبدل اذا رأى المصلحة في الاستبدال لأنهم قالوا: اذا شرط الواقف أن لا يكون للقاضي أو السلطان كلام في الوقف، إنه شرط باطل، وللقاضي الكلام، لأن نظره أعلى (البحر الرائق ۳۷۴/۵، ط: رشيديه)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: الثانية : شرط أن القاضي لا يعزل الناظر فله عزل غير الأهل.(الشامية ۳۸۷/۴،ط:سعيد)

و قال رحمه الله تعالى أيضا : السادسة:لو شرط للمستحقين خبزا ولحما معينا كل يوم فللقيم دفع القيمة من النقد وفي موضع آخر لهم طلب المعين واخذ القيمة : اى فالخيار لهم لا له وذكر في الدر المنتقى انه الراجح.

(الشامية : ۳۸۷/۴ ط: السعيد)

موجودہ تکافل میں اس تفصیل کو بھی نظر انداز کر کے اس قول کو غلط استعمال کیا گیا ہے جس کی

تفصیل اور بعض صورتیں یہ ہیں:

(**نمبر ۱**) اگر ان کے وقف کا موقوف علیہم چندہ دینے والے ہیں تو ان پر یہ شرط لگانا کہ وقف حوض ہی کو چندہ دے گا تو مستحق ہوگا ورنہ نہیں، حالانکہ جب چندہ دینے والے موقوف علیہم بن چکے تو اس میں زائد یہ شرط لگانا کہ اس وقف حوض کو جو چندہ دے گا تو اس کو غلہ دیا جائے گا ورنہ نہیں، خلاف شرع اور بعض مستحقین کو محروم کرنا ہے۔ جیسے واقف یہ شرط لگائے کہ جو فلاں مسجد میں سوال کرے گا تو وہ مستحق ہوگا، تو ایسی صورت میں جب مدارِ استحقاق عن الوقف فقر کو بنایا گیا تو اب مزید واقف کا یہ شرط لگانا کہ فلاں مسجد میں سوال کرے گا تو مستحق ہوگا، لازم نہیں، کیونکہ اس کے لزوم میں بعض مستحقین کو بلا وجہِ صحیح محروم کرنا ہے، لہٰذا باوجود اس شرط کے متولی اور منتظمِ وقف کے لیے جائز ہے کہ وقف کی آمدن اور غلہ کسی اور مسجد میں یا اسی مسجد سے باہر کسی سائل پر صَرف کرے یا کسی ایسے فقیر کو دے جو سائل ہی نہیں، یہ بھی درست ہے، غرض شرطِ زائد کو پورا کرنا قطعاً ضروری نہیں اور اس کو "شرط الواقف کنص الشارع" کی بنا پر ضروری سمجھنا، ناجائز اور اس قاعدے کا غلط استعمال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زائد شرط کو نبھانا مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق تیسری صورت میں داخل اور "شرط الواقف کنص الشارع" سے مستثنیٰ ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : الخامسة : شرط أن يتصدق بفاضل الغلة على من يسأل في مسجد كذا فللقيم التصدق على سائل غير ذلك المسجد أو خارج المسجد أو على من لا يسأل .

(الشامية ۴/۳۸۷، ط:سعيد)

(**نمبر ۲**) کتب فقہ کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہ پر ایسی مؤونت کی شرط لگانا جس کا تعلق شیء موقوف کے غلہ اور آمدنی کی اصلاح سے ہو وہ تو جائز ہے، البتہ راجح قول کے مطابق اس کا پورا کرنا واجب نہیں، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو خود موقوف علیہ کے لیے مفید ہے، اور پورا نہ کرنے میں اس کا اپنا نقصان ہے، البتہ مؤونت کی شرط پورا نہ کرنے کے باوجود غلہ کا

مستحق ہوگا۔ مثلاً کسی نے دوسرے کے لیے مکان وقف کیا اور یہ شرط لگائی کہ سکنیٰ کو برقرار رکھنے کے لیے جس مرمت کی ضرورت ہوگی وہ آپ کے (یعنی موقوف علیہ) کے ذمہ ہوگا۔ تو یہ مرمت کی مؤونت کی شرط جائز ہے اور اس کے پورا کرنے میں موقوف علیہ کا اپنا فائدہ ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں غلہ جو کہ سکنیٰ ہے ہمیشہ کے لیے حاصل ہوتا رہے گا، جبکہ چندہ کی مؤونت کی شرط کا تعلق اصلاحِ غلہ سے نہیں، تو پھر اس کے جواز پر قول "**شـــرط الـــواقف کنص الشارع**" سے کیونکر استدلال کیا جاتا ہے؟

الحاصل: موقوف علیہ پر ایسی مؤونت کی شرط لگانا جس کا استغلال اور آمدن کے حصول سے تعلق ہو، جائز ہے، لیکن موقوف علیہ پر ایسی مؤونت کی شرط لگانا جس کا اصلاحِ غلہ اور استغلال سے کوئی تعلق نہ ہو کسی نے بھی اس کو جائز نہیں کہا ہے۔ تکافل میں چندہ کی مؤونت کی شرط ایسی ہی ہے کہ اس کا اصلاح واستغلالِ غلہ سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ نقودِ موقوفہ سے غلہ اور نفع حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اس رقم کو بطورِ مضاربت دے کر اس سے حاصل شدہ نفع کو موقوف علیہ پر صرف کیا جائے۔

(۲) موقوف علیہ میں سے کسی خاص شخص کو خاص مدت تک بطورِ قرض دیا جائے، مدت پوری ہونے پر اس سے لے کر دوسرے کو دیا جائے، اس طرح اس سے نفع یکے بعد دیگرے اٹھاتے رہیں۔

(۳) حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے استغلال کی ایک صورت یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ اس سے کوئی عین خریدا جائے جیسے کرسی، الماری وغیرہ پھر اس سے موقوف علیہ نفع حاصل کرتا رہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> دراہم و دنانیر کا وقف صحیح ہے، مگر چونکہ وقف میں انتفاع بالمنافع مع بقاء العین ہوتا ہے اس لئے وقف دراہم میں شرط یہ ہے کہ اصل دراہم کو خرچ نہ کریں بلکہ ان کے منافع کو خرچ کریں یا ان سے کوئی چیز خرید کر اس کے منافع

کو فقیر پر خرچ کریں، و تفصیله فی الشامیة (احسن الفتاویٰ ۶/۴۱۶)

استغلال کی ان تین صورتوں میں سے کوئی بھی صورت چندہ پر موقوف نہیں، صرف موقوف رقم سے بھی استغلال کی یہ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

جبکہ اہلِ تکافل نے اولاً تو اس غیر ثابت اور ناجائز مؤونت کی شرط کو بدوں دلیل ثابت اور جائز قرار دیا اور ثانیاً: اس کی ادائیگی کو قرض کی طرح لازم قرار دے کر اس مؤونت کے اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا حکم دیا، ثالثاً: عدمِ ادائیگی کی صورت میں موقوف علیہم پر یہ جرمانہ اور سزا عائد کی کہ اس کو موقوف علیہم سے نکال دیا جائے گا، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"سوال: ممبر اگر فنڈ کو چندہ نہ دے تو اس سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے:

جواب: جی ہاں! کیونکہ التزام کے نتیجے میں اس پر ادائیگی ضروری ہے، لیکن اگر وہ مزید چندہ نہیں دیتا تو اس کی ممبر شپ ختم کی جاسکتی ہے۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۲۳)

(**نمبر ۳**) اصلاحِ غلہ کی خاطر مؤونت کی جو شرط جائز ہے، اس کے پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی وجودِ غلہ کے وقت موقوف علیہ یقیناً مستحقِ غلہ ہوتا ہے اور اس پر خرچ کرنا لازم ہے۔ جبکہ تکافل میں چندہ کی مؤونت کی شرط ایسی نہیں، کیونکہ اس کے پورا نہ کرنے کی صورت میں غلہ کے ہوتے ہوئے بھی اس کو مستحق نہیں سمجھا جاتا اور پورا کرنے یعنی مؤونت برداشت کرنے کے بعد بھی اس کا استحقاق علی الخطر ہوتا ہے، یقینی نہیں ہوتا، پھر بھی قول "**شرط الواقف کنص الشارع**" سے اس کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ شرط خلافِ شرع ہے جو کہ اس قول کا مصداق ہی نہیں۔ مثلاً کسی نے دوسرے کے لیے مکان وقف کیا اور یہ شرط لگائی کہ سکنیٰ کو برقرار رکھنے کے لیے جس مرمت کی ضرورت ہوگی وہ آپ کے (یعنی موقوف علیہ) کے ذمہ ہوگا۔ تو یہ مرمت کی مؤونت کی شرط جائز ہے لیکن اس کو پورا کرنے پر جبر نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر اس نے مرمت نہ بھی کروائی تو بھی وہ اس میں رہنے کا مستحق ہے۔

(نمبر ٤) اگر ضرر موقوف علیہ بننے اور استحقاق عن الوقف کے لیے شرط ہو تو اس کے ساتھ یہ شرط لگانا کہ متضرر پر اس وقت صرف ہوگا جبکہ وہ وقف کی شرائط کے مطابق وقف فنڈ ہی کو چندہ دیتا رہے، خلافِ شرع، ناجائز اور بعض مستحقین کو محروم کرنا ہے، جیسے نمبر۱ میں گزرا ،جبکہ قول "**شرط الواقف کنص الشارع**" سے اس کے جواز پر بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

(نمبر ٥) ضرر کی صورت میں استحقاق عن الوقف کے لیے چندہ دینے کی شرط لگانا بھی خلافِ شرع ہے کیونکہ اس میں موقوف علیہ پر ایسی مؤونت کی شرط لگانا ہے جس کا شئ موقوف کے غلہ کی اصلاح اور ایجاد سے کوئی تعلق نہیں اور اس طرح مؤونت کی شرط کو کسی بھی فقیہ علیہ الرحمہ نے جائز نہیں کہا۔ جس کی تفصیل نمبر۲ میں گزر گئی، جبکہ اس کے جواز پر "**شرط الواقف کنص الشارع**" سے استدلال کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ پانچ صورتوں میں یہ کہنا کہ "**شرط الواقف کنص الشارع**" کی وجہ سے یہ سب جائز ہیں، اس قول کی تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس قول کو غلط اور ناجائز استعمال کرنا ہے۔

وجہ نمبر۸ کا حاصل : اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ "**شرط الواقف کنص الشارع**" کی بنا پر کئی ناجائز اور غیر لازم شرائط کو تکافل میں لازم اور ضروری قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ شرائط اس قاعدے کا محمل اور مصداق نہیں۔

اہلِ تکافل پر واجب ہے کہ اس قاعدہ کے غلط استعمال سے توبہ کر کے ان تمام شرائط سے دست بردار ہو جائیں اور جن واقعی مستحقین کو آج تک محروم کیا ہے اب ان کا جتنا حق بنتا ہے وہ دینا شروع کریں۔

وجہ نمبر ۹ : استحقاق عن الوقف کے باوجود مختلف وجوہ سے موقوف علیہم کو غلۂ وقف سے محروم کرنا :

موقوف علیہم میں داخل ہونے اور استحقاق پانے کے بعد غلہ کے ہوتے ہوئے ان پر صرفِ غلہ کے لیے مختلف شرائط لگا کر ان کو محروم کرنا ناجائز ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر موقوف علیہم پر سکنیٰ کی مرمت کی شرط لگائی گئی ہے اور اس نے وہ شرط پوری نہ کی تو بھی یہ سکنیٰ کا مستحق ہوگا، لہٰذا یہ مکانِ موقوف جب تک قابلِ سکنیٰ ہوگا موقوف علیہ کو سکونت دینا ضروری ہوگا، اور اگر قابلِ سکنیٰ نہ رہے تو بھی متولی وقف کو چاہیے کہ کچھ مدت تک اس کو کرائے پر دے کر اس کے کرائے سے شیٔ موقوف (یعنی گھر) کی مرمت کر کے قابلِ سکنیٰ بنا دے اور جب قابلِ سکنیٰ بن جائے تو پھر موقوف علیہ کو استحقاق کی وجہ سے سکونت دے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالي : (و لو) كان الموقوف (دارا فعمارته على من له السكنى) و لو متعددا من ماله لا من الغلة اذ الغرم بالغنم درر، (و لم يزد في الأصح) يعني انما تجب العمارة عليه بقدر الصفة التي وقفها الواقف (و لو أبى) من له السكنى (أو عجز) لفقره (عمر الحاكم) أي آجرها الحاكم منه أو من غيره وعمرها (بأجرتها) كعمارة الواقف ولم يزد في الأصح إلا برضا من له السكنى زيلعي .ولا يجبر الآبي على العمارة .

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : قوله : ولو أبى من له السكنى أي كلهم أو بعضهم فيؤجر حصة الآبي ثم يردها إليه كما في القهستاني والدر المنتقي والإسعاف قوله : عمر الحاكم أي أو المتولي قهستاني قال في البحر : ولو قالوا عمرها المتولي أو القاضي لكان أولى.

(الشامية ۴ / ۳۷۳ ، ط: سعيد)

جبکہ تکافل میں موقوف علیہ اور مستحق ماننے کے باوجود ایسی شرطیں لگائی جاتی ہیں کہ ان کو غلہ کے ہوتے ہوئے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ حضرات مجوزین لکھتے ہیں:

"اہلیتِ استحقاق: تمام وہ لوگ جنہوں نے قواعد کے مطابق فنڈ کی ممبر شپ حاصل کی ہے وہ فنڈ سے مستفید ہونے کے اہل ہیں"۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۰)

اس عبارت میں استحقاق واہلیت کی صراحت ہے کہ چندہ دینے سے یہ وقف کا مستحق بن

جاتا ہے لہٰذا متولی وقف پر واجب ہے کہ وقف کا غلہ ان پر تقسیم کرے واقف اور متولی کا چندہ دینے والوں کو موقوف علیہ اور مستحقینِ وقف مان کر ان پر غلہ صرف کرنے کے لیے ضرر اور نقصان کی شرط لگانا خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔

ایسی شرط لگانے کا واقف کو بھی اختیار نہیں۔ کتبِ فقہیہ میں باوجود تتبع کے کوئی ضعیف قول بھی اس کے جواز کا ہمیں نہیں ملا، کیونکہ مستحق کو اپنا حق نہ دینا ظلم ہے، اور ظاہر ہے کہ ظلم کے جواز کا کوئی قائل نہیں ہوسکتا۔ نیز ''شرط الواقف کنص الشارع'' کی تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ظالمانہ شرط ہے اور اس اصل اور قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

البتہ اگر واقف بوقتِ وقف اپنے لیے یہ اختیار رکھے کہ موقوف علیہم میں سے جس کو چاہوں محروم کروں یا مزید ان میں اضافہ کروں یا کسی کا حصہ کم کردوں یا کسی کا بڑھادوں تو اس صورت میں واقف کو یہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ لیکن بوقتِ وقف اس قسم کے اختیارات کے شرط کے بغیر کسی کو محروم کرنا یا اپنی طرف سے شرائط کا اضافہ کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن مازة البخاری رحمه الله تعالى : لو أن رجلاً وقف أرضاً على قوم ثم من بعدهم على المساكين، و شرط في الوقف أن له أن يزيد من رأى زيادته من أهل هذا الوقف و له أن ينقص من رأى نقصانه منهم و أن يدخل فيهم من رأى إدخاله و يخرج من رأى إخراجه ،فهو جائز على هذا الشرط فإن زاد لأحد منهم شيئاً على ما سماها له و أخرج منهم أحداً أو أدخل أحدا، هل له بعد ذلك أن ينقص من زاد، أو يزيد من نقصه، أو يُخرج من كان أدخله؟ قال الخصاف في وقفه: إذا فعل ذلك مرة فليس له أن يغير بعد ذلك، فإذا أراد أن يكون له ذلك أبداً ما عاش يزيد و ينقص و يدخل و يخرج مرة بعد مرة، قال: يشترط ذلك.

(المحيط البرهانی ۸/۹،ط:ادارة القرآن)

تکافل میں ظاہر یہ ہے کہ واقفین نے بوقتِ وقف اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی کیونکہ

اس شرط اور اختیارات کی صورت میں پھر اہلِ تکافل جو واقفین ہیں، کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگا کہ ممبر چندے کی جو مقدار دینے کا عندیہ دے چکا ہے وہ پورا بھی کرلے تو بھی ان کو موقوف علیہ سے نکال سکتے ہیں اور ایسی صورت میں کوئی بھی چندے کی مؤونت اٹھا کر ان کے وقف کا موقوف علیہ نہیں بنے گا.......... نیز ممبر شپ حاصل کرنے والے موقوف علیہم کو تحصیلِ ممبر شپ کے بعد قانونی چارہ جوئی کا حق اور اختیار دینا بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی، چنانچہ قانونی چارہ جوئی کے حق سے متعلق سوال وجواب ملاحظہ ہوں:

سوال: کمپنی اگر باوجود مطلوبہ استحقاق کے ممبر کو فائدہ نہ دے تو کیا وہ claim (دعویٰ، مطالبہ) کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کیونکہ وہ فنڈ کے بحیثیتِ ممبر ہونے کے منجملہ ''موقوف علیہم'' میں داخل ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۲۳)

الحاصل! جس شرط کی بنیاد پر ان کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ موقوف علیہم میں اضافہ یا کمی کردیں یا بعض کا حصہ کم زیادہ کردیں وہ شرط یہاں نہیں بلکہ اس شرط کے خلاف (اس شرط کا عدم) ہے اور جس شرط کی بنیاد پر محروم کرتے ہیں (مؤونت کی شرط کا پورا نہ کرنا) اس کی بنیاد پر محروم کرنا اور مؤونت پر مجبور کرنا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ ہی محروم کرنے کا حق اور اختیار ان کو حاصل ہے۔ لہٰذا مولانا عصمت اللہ صاحب کا یہ لکھنا کہ ''ممبر شپ لینے کے بعد اس کو چندہ دینا ہوگا اور نہ دینے کی صورت میں ممبر شپ ختم کی جاسکتی ہے''، دونوں باتیں خلافِ شرع ہیں۔

وجہ نمبر ۹ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ موقوف علیہم ماننے کے بعد وقف میں ایسی شرائط لگانا جن کی وجہ سے موقوف علیہم کو نقصان دینا مقصود ہو جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اہل تکافل پر واجب ہے کہ جب کسی کو مستحق بنالیا تو اب مختلف شرائط لگا کر اس کو محروم نہ کریں اور آج تک جو اس کے خلاف کیا ہے اس کا تدارک کریں۔

تنبیہ: شرعی وقف کی روح تو یہ ہے کہ واقف اس نیت سے وقف کرتا ہے کہ اس شیء موقوف سے موقوف علیہم زیادہ سے زیادہ منتفع ہوں جیسے کوئی مدرسہ بنا کر وقف کرتا ہے یا پانی کا

کنواں وقف کرتا ہے تو اس مدرسہ میں جتنے زیادہ طلبہ پڑھتے ہیں اور کنویں سے جتنے زیادہ لوگ پانی لے کر نفع حاصل کرتے ہیں واقف کو اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اگر مدرسہ سنسان پڑا ہو اور کنویں سے پانی لے جانے والا کوئی نظر نہ آ رہا ہو تو واقف کو دکھ ہوتا ہے اور جن لوگوں نے اس علاقے میں مدرسے اور کنویں کا مشورہ دیا ہوتا ہے ان پر بھی ناراض ہوتا ہے چہ جائیکہ خود مدرسہ میں طلبہ کے داخلے کے لیے اور کنویں سے پانی لے جانے کے لیے ایسی شرائط لگائے جن کے نتیجے میں کوئی داخلہ نہ لے سکے یا پانی نہ لے جا سکے، بلکہ منتظم کی ایسی شرائط پر بھی شدید ناراض ہوگا.....جبکہ.....تکافل میں وقف فنڈ کے واقفین کی نیت اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس وقف سے اولاً تو کسی کو کچھ نہ ملے سارا کا سارا غلہ اور آمدنی ہماری خودساختہ شرائط کے تحت ہم ہی میں تقسیم ہوتا رہے اور اگر کسی کو ملے تو کم سے کم ملے۔ اس لیے نقصانات میں بھی ان کے ہاں تفصیلات ہوتی ہیں، مثلاً گاڑی کے اِس نقصان کا تدارک نہیں کریں گے، اِس کا نہیں کریں گے، صرف فلاں کا تدارک کریں گے، وہ بھی ان شرائط کے تحت ہو تو کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ ان کی اس بری نیت اور وقف کی روح کو ذبح کرنے کی وجہ سے موقوف علیہم کو ترغیبات سے ڈھونڈنا پڑتا ہے اور ڈھونڈنے کے لیے بھی خلافِ شرع اجارہ کا سہارا لے کر تیز طرار اور چالاک قسم کے ایجنٹوں کو اچھے خاصے کمیشن کا لالچ دے کر رکھا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقی اور زندہ وقف کے لیے ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ میں اس کے موقوف علیہم میں داخل ہو جاؤں۔

؎ ببیں تفاوت رااز کجا است تا بکجا

چونکہ واقفین کا مقصد ہی اس وقف کے فنڈ اور غلے سے موقوف علیہم کی اعانت نہیں ہے، اس لیے مستحق اور موقوف علیہم ماننے کے باوجود خودساختہ شرائط کو "**شرط الواقف کنص الشـــارع**" کا جامہ پہنا کر ان کو محروم کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ یہ شرائط خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے اس شرعی اصل اور قاعدے کا مصداق ہی نہیں ہیں۔

وجہ نمبر ۱۰ : وقف کے غلہ اور آمدنی میں چندہ کو شامل کرنا :

مجوزین حضرات وقف فنڈ کی آمدنی اور غلہ میں سے چندہ کو بھی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

''فنڈ کی آمدنی اور اخراجات :

(۱) ......شرکائے تکافل سے وصول شدہ زرِ تعاون''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۲)

جبکہ اس کو غلہ شمار کرنا اور پھر اس میں مالکانہ تصرفات کرنا خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔ کیونکہ اولاً: اس کو غلہ اور آمدنی کہنا ہی غلط ہے، ہم ماسبق میں تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی ایک نے بھی چندہ کی رقوم کو نقودِ موقوفہ کا غلہ اور آمدنی نہیں ٹھہرایا۔

ثانیاً: چندہ کی رقوم کا نقودِ موقوفہ کے غلہ (جو کہ مضاربت اور قرض کی صورت میں حاصل ہوتا ہے) کی اصلاح اور ایجاد سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ نقودِ موقوفہ کسی کو مضاربت پر دینے یا کسی موقوف علیہ کو قرض دینے کی صورتوں کا چندہ کی رقوم پر کسی بھی طرح موقوف نہیں، جیسے مکان کی وہ مرمت جس پر سکنیٰ کا مدار ہے، اس کا تو اصلاح و ایجادِ غلہ سے تعلق ظاہر ہے کہ مرمت ہوگی تو وہ مکان قابلِ سکنیٰ ہوگا، جبکہ چندہ کا نقودِ موقوفہ کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہیں۔

ثالثاً: اگر ہم بالفرض والمحال اس کو تسلیم بھی کرلیں کہ نقودِ موقوفہ کے غلہ (یعنی مضاربت پر دینا یا کسی کو قرض دینا) کی اصلاح یا نفسِ وجود کا اس سے تعلق ہے، تو بھی ان رقوم کا وقف حوض (Pool) مالک نہ ہوگا، اور اس کے لیے چندہ کے نام سے لی گئی رقوم میں مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ جو رقم موقوف علیہ واقف کے چندہ کی شرط کی وجہ سے دیتا ہے اس سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ دارِ موقوفہ کے خراب ہونے کے بعد اگر موقوف علیہ نے اپنے مال سے اس کی تعمیر کروائی تو یہ تعمیر اسی کی ملکیت

ہوگی اور مرنے کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی۔

" قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله تعالی: وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی و لایجبر الممتنع علی العمارة و لا تصح اجارة من له السکنی و ان کان الواقف حین شرط الغلة لفلان ما عاش شرط علی فلان مرمتها و اصلاحها فی ما لابد لها منه فالوقف جائز مع هذا الشرط فان خربت الدار الموقوفة ورمها الذی شرط له السکنی من ماله ثم مات فالبناء میراث" (التاتارخانیة ۸/۶۴، ط: مکتبه فاروقیه)

رابعاً: اگر ہم اس کو غلہ مان بھی لیں تو یہ بھی ایک...... اعجوبہ اور قلبِ موضوع...... سے کم نہیں ہے، کیونکہ وقف کا مقصد یہ ہے کہ شیءموقوف کے غلے کو موقوف علیہم پر صَرف کیا جائے، خواہ وہ غلہ عین کی صورت میں ہو یا عرض کی صورت میں، اور اس سے ان کو انتفاع کا موقع دیا جائے، نہ یہ کہ موقوف علیہ سے غلہ وصول کیا جائے۔ تکافل کے وقف کا...... اعجوبہ بالائے اعجوبہ...... یہ ہے کہ موقوف علیہم سے غلہ (چندہ) کی وصولی یقینی ہے، اور ان پر غلہ کو خرچ کرنا محض احتمالی ہے، کہ مرے گا یا نقصان اٹھائے گا تو ہی اس پر خرچ ہوگا، اور اگر اللہ تعالی نے اپنے فضل سے ان کے جان و مال کو بعافیت رکھا تو غلہ سے محروم رہیں گے۔ **فیا للعجب۔**

دیکھیے! اگر کوئی شخص کسی علاقے میں پانی کا ایک بہت بڑا تالاب بنا کر وقف کردے اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کردے کہ جو اس تالاب میں دس ٹینکر پانی ڈالے گا وہ اس تالاب کا موقوف علیہ ہو جائے گا اور درج ذیل صورتوں میں اس کو تالاب سے اتنی اتنی مقدار میں پانی لینے کی اجازت ہوگی:

مثلاً نئے مکان کی تعمیر یا قدرتی آفات سے ہونے والی تباہی کی صورت میں مرمت کی غرض سے پانی لینے کی اجازت ہوگی اور فوتگی کے موقع پر غسل وغیرہ کے لیے پانی کی فراہمی کی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

نیز ہمارا یہ تالاب اس پانی کا مالک ہوگا اور اس پانی کے ذریعے اپنے منتظمین کے اخراجات

اجرت فیس کے عنوان سے پورا کرے گا، اس لیے اس کا پانی بیچا بھی جارہا ہے اور منتظمین کھاتے بھی جارہے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس قسم کے تالاب میں عوام کی نفع رسانی کا پہلو مغلوب اور شرائط کے شکنجے میں ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے اور منتظمین کے اپنے نفع کا خاص اہتمام ہورہا ہے۔

مروجہ تکافل کے مجموعی نظام کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مندرجہ بالا مثال اس پر مکمل صادق آتی ہے کہ وقف کی اصل روح جو کہ عامۃ الناس کا نفع ہے، وہ تو شرائط کے ساتھ مقید اور مخصوص مواقع کی شرائط کے ساتھ مشروط لیکن انتظام وانصرام کی اجرتیں بدوں شرائط جاری وساری۔

وجہ نمبر ۱۰ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ چندہ کو ''وقفِ نقود'' کا غلہ اور آمدن قرار دینا خرقِ اجماع ہے اور مؤونت میں داخل کرنے کی صورت میں دینے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا ہر صورت میں اہل تکافل پر واجب ہے کہ ان رقوم کو واپس کریں خود ان کے لیے استعمال کرنا، ناجائز اور حرام ہے۔

وجہ نمبر ۱۱ : صدقہ کے حلال ہونے کی شرط کی مخالفت:

ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چندہ اور تصدق پر ثواب ملنے اور دوسرے کے لیے حلال ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ چندہ اور تصدق اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے طیبِ خاطر سے دیا جائے جیسے مدارسِ دینیہ اور دیگر رفاہی اداروں میں دیا جاتا ہے، اگر اس نیت کے خلاف صراحت ہو یا واضح قرائن موجود ہوں تو نہ ہی اس پر ثواب ملے گا اور نہ ہی دوسرے کے لیے مفت میں حلال ہوگا۔جبکہ تکافل میں خود مجوزین بھی مانتے ہیں کہ ان کی نیت زیادہ لینے کی ہوتی ہے، چنانچہ مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جو اسی مجلس میں اٹھایا گیا وہ یہ کہ پالیسی ہولڈر خواہ اپنے نقصان کی تلافی وقف کے قوانین کی بنیاد پر کرائے تاہم پریمیم

دیتے وقت اس کی یہ نیت بہر حال ہوتی ہے کہ مجھے اس کے بدلے کچھ نہ کچھ ملے بلکہ اگر میرا نقصان زیادہ ہو تو زیادہ بھی ملے گویا یہاں دینا اس غرض سے ہے کہ واپس ملے گا اور وہ بھی زیادہ ملے گا　　تو اس غرض سے کسی کو رقم دینا قرآن کریم کی اس وعید میں داخل نہ ہوگا جس میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ ولا تمنن تستکثر ﴾ کسی پر اس لیے احسان نہ کرو کہ اس کے بدلے زیادہ ملے۔

نیوتہ (نیندرہ) کو بھی اسی لیے ناجائز کہا گیا ہے کہ اس میں دینے والے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجھے اس کے بدلے میں زیادہ ملے۔

لیکن حاضرین کی اکثریت نے اشکال کا جواب یہ دیا کہ اس بات پر تمام فقہاءِ کرام کا اتفاق ہے کہ واقف کوئی چیز وقف کرتے وقت خود نفع اٹھانے کی نیت کرے بلکہ وقف نامے میں باقاعدہ اپنے انتفاع کی شرط بھی لگائے تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے۔ (تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص: ۱۰۵)

اسی طرح مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

ایک اشکال اور اس کا جواب:

جب کوئی شخص پریمیم جمع کراتا ہے تو اس نیت سے کراتا ہے کہ بوقتِ نقصان زیادہ ملے گا اور اس زیادت کے لیے وہ کمپنی کو مجبور بھی کر سکتا ہے اس کی توجیہ حضرت نے یہ فرمائی کہ دینا محض تبرع ہے اور لینا صندوق کے قوانین کے تحت ہے، حضرت کی توجیہ سے یہ عقد صریح قمار سے نکل گیا لیکن اس میں شبہہ رہا ہے وہ اس طرح کہ دیتے وقت نیت یہ ہے کہ زیادہ ملے چاہے کسی قانون سے ہو۔ ارشاد ہے کہ: ﴿ ولا تمنن تستکثر ﴾ وقال ابن عباس: لاتعط عطیة تلتمس بها افضل منها ۔اسی وجہ سے ''نیوتہ'' کو ناجائز کہا گیا ہے حالانکہ اس میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ دینا ایک مستقل عطیہ

ہےاور دوسرا جب دیتا ہے تو وہ ایک مستقل عطیہ ہے لیکن چونکہ نیت لینے کی ہے اس لیے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرض میں داخل فرمایا ہے ....لہٰذا یہاں بھی جب دینا اس غرض سے ہے کہ واپس ملے گا اور زیادہ ملے گا تو ایک تو یہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے اور کم از کم مکروہ ضرور ہوگا اور دوسرا علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہ کے مطابق قرض میں داخل ہوجائے گا اور زیادت سود میں داخل ہوگی اور سود کے بارے میں یہ حکم ہے کہ "فدعوا الربا والريبة" تو یہ کہیں "ریبة" میں تو داخل نہیں؟............لیکن حاضرین کی اکثریت نے اشکال کا جواب یہ دیا کہ اس بات پر تمام فقہاءِ کرام کا اتفاق ہے کہ واقف کوئی چیز وقف کرتے وقت اس سے خود نفع اٹھانے کی نیت کرے بلکہ وقف نامے میں اپنے انتفاع کی باقاعدہ شرط لگائے تو اس کی اجازت ہے۔(تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۴۰، ۱۴۱)

نیز تکافل کمپنی کا ان تبرعات کو تحفظ دینے کے لیے ری تکافل (جس کی تفصیل آگے وجہ نمبر ۱۳، میں آرہی ہے) کا سہارا لینا بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ تکافل کمپنی بھی ان کو تبرعات نہیں سمجھتی بلکہ اپنے ذمہ قرض اور واجب الاداء سمجھتی ہے۔

نیت کی خرابی اور حاضرین کے جواب کی حقیقت:

نیت کی خرابی کی وجہ سے صدقہ کی ممانعت قرآن کریم، اقوال صحابہ کرام اور اقوال فقہاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا تمنن تستكثر﴾ [المدثر : ٦]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "**لا تعط عطية تلتمس بها أفضل منها**" فرما کر اس طرح کے تبرع کو رد فرمایا ہے۔امام عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہ تفسیر منقول ہے:

قولہ تعالی: و لا تمنن تستکثر فیه أحد عشر تأویلا ...... الثانی لا تعط عطیة تلتمس بها أفضل منها قاله ابن عباس وعکرمة وقتادة.

قال الضحاک: هذا حرمه الله علی رسول الله ﷺ لانه مأمور بأشرف الآداب و أجل الاخلاق و أباحه لامته و قاله مجاهد ....

هذه الاقوال و إن کانت مرادة فأظهرها قول ابن عباس: لا تعط لتأخذ أکثر مما أعطیت من المال. (احکام القران للقرطبی: ۱۹/ ۶۳، ط: رشیدیه)

(۲) : ﴿وَمَا آتَيْتُم مِن رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ [الروم : ۳۹]

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : ....اور بعض علماءِ تفسیر نے ....اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا مال اخلاص اور نیک نیتی سے نہیں بلکہ اس نیت سے دے کہ میں اس کو یہ چیز دوں گا تو وہ مجھے اس کے بدلے میں اس سے زیادہ دے گا جیسے بہت سی برادریوں میں نیوتہ کی رسم ہے کہ وہ ہدیہ کے طور پر نہیں بلکہ بدلہ لینے کی غرض سے دی جاتی ہے یہ دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی غرض کے لیے ہے، اس لیے آیت میں فرمایا کہ اس طرح اگرچہ ظاہر میں مال بڑھ جائے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا، ....اس تفسیر پر آیت مذکورہ کا وہ مضمون ہو جائے گا جو دوسری ایک آیت میں رسول کریم ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے: ﴿و لا تمنن تستکثر﴾ [۷۴: ۶] یعنی آپ ﷺ کسی پر احسان اس نیت سے نہ کریں کہ اس کے بدلہ میں کچھ مال کی زیادتی آپ ﷺ کو حاصل ہو جائے گی۔

اور سورہ روم کی اس آیت میں بظاہر یہ دوسری تفسیر ہی راجح معلوم ہوتی ہے، اول تو اس لیے کہ سورہ روم مکی ہے، جس کے لیے اگرچہ ضروری نہیں کہ

اس کی ہر آیت مکی ہو، مگر غالب گمان مکی ہونے کا ضرور ہے، جب تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملے، اور آیت کے مکی ہونے کی صورت میں اس کو حرمتِ سود کے مفہوم پر اس لیے محمول نہیں کیا جاسکتا کہ حرمتِ سود مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس آیت سے پہلے جو مضمون آیا ہے اس سے بھی دوسری تفسیر ہی کا رجحان معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہے:

﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾ [الروم: ۳۸]

قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں۔

اس آیت میں رشتے داروں اور مساکین اور مسافروں پر خرچ کرنے کے ثواب ہونے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی ہو، تو اس کے بعد والی آیتِ مذکورہ میں اس کی توضیح اس طرح کی گئی کہ اگر مال کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ اس کی طرف سے زیادہ ملے گا، تو یہ رضا جوئی حق تعالیٰ کے لیے خرچ نہ ہوا، اس لیے اس کا ثواب نہ ملے گا۔ (معارف القرآن ۱/۶۶۱،۶۶۲)

اور حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے نیوتہ کے بارے میں بالاتفاق فرمایا ہے کہ نیوتہ میں اگرچہ انداز اور الفاظ ہدیہ اور تبرع کے ہیں لیکن قرائن اس کے خلاف ہیں، اسی وجہ سے اس کو قرض قرار دیا گیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: و في الفتاوى الخيرية: سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الاعراس و نحوها، هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا؟ أجاب: إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله، و إن قيميا فبقيمته، و إن كان العرف

خلاف ذلک بأن کانوا یدفعونه علی وجه الهبة، و لا ینظرون فی ذلک إلی إعطاء البدل، فحکمه حکم الهبة فی سائر أحکامه، فلا رجوع فیه بعد الهلاک أو الاستهلاک، و الأصل فیه أن المعروف عرفا کالمشروط شرطا اهـ، قلت: و العرف فی بلادنا مشترک، نعم! فی بعض القری یعدونه قرضا حتی إنهم فی کل ولیمة یحضرون الخطیب یکتب لهم ما یهدی، فإذا جعل المهدی ولیمة یراجع المهدی الدفتر فیهدی الأول إلی الثانی مثل ما أهدی إلیه. (الشامیة ، کتاب الهبة ۵/۶۹۶،ط:سعید)

یہاں تکافل میں بھی قرائن بتا رہے ہیں کہ دینے والے صرف اس نیت سے دیتے ہیں کہ اس دینے کی وجہ سے کثیر رقم ملے گی لہٰذا یہ دینے والوں کی طرف سے قرض ہے جو ہر صورت میں تکافل والوں کے ذمہ واجب الرد ہے اور اس کا دبانا حرام اور زیادتی سود ہے۔

حدیث میں ہے :" **لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه** "اور اس طرح ارشاد ہے"**کل قرض جر منفعة فهو ربا**" .

نیوتہ کی حرمت اور ناجائز ہونے کی وجہ تو صرف **المعروف کالمشروط** ہے، وہاں لینے والے کی طرف سے یہ اعلان نہیں ہوتا کہ جو مجھے دے گا تو میں بھی اس کی شادی میں دوں گا، پھر بھی حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے اس کو صراحۃً قرض فرما کرنا جائز فرمایا ہے، جبکہ یہاں تکافل میں **المعروف کالمشروط** کے علاوہ خود تکافل کمپنی اور ان کے ایجنٹوں کی ترغیبات، وقف کی پالیسیاں اور اس کا اعلان، اس کے ممبر شپ حاصل کرنے پر قانوناً ملنے کے اختیارات پانا وغیرہ وغیرہ واضح قرائن ہیں کہ مقصد اور نیت صرف چندہ دینا نہیں، بلکہ زیادتی کی شرط کے ساتھ چندہ دینا ہے، لہٰذا یہ تو بطریق اولیٰ نیوتہ سے بھی بڑھ کر ناجائز اور زیادہ لینا سود ہوگا۔

چندہ اور صدقہ کے نام سے دینے والا اگر بھولے سے چندے کا نام لیتا ہے تو بھی صرف نام کی حد تک لیتا ہے، مقصد اور نیت اس کے عوض میں زیادہ رقم وصول کرنا ہے اور اکثر ممبر

چندے کا لفظ استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے تکافل پالیسی خریدی ہے لہٰذا نیت کے بگاڑ کی وجہ سے نہ چندہ دینے والے کو ثواب ملے گا اور نہ لینے والوں کے لیے مفت میں کھانا حلال ہوگا۔

حاضرین کے جواب کی حقیقت : حاضرین وغیرہ کا یہ جواب دینا کہ آیت ﴿ولا تمنن تستکثر﴾ اور نیوتہ کے نام پر ہدیہ اور قرض کا تعلق وقف سے ہٹ کر دوسرے تبرعات سے ہے، وقف سے ان کا تعلق نہیں، کیونکہ وقف میں اس بات پر اتفاق ہے کہ واقف بھی خود اپنے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، لہٰذا اس آیت کے مدلول اور نیوتہ کے حکم سے تکافل کے چندہ پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

جواب : یہاں دو باتیں ہیں :

(۱) واقف کا اپنے شیء موقوف سے نفع اٹھانا، جیسے کسی نے کنواں وقف کیا تو واقف دوسرے لوگوں کی طرح اس کنویں سے پانی کے استعمال کا نفع اٹھا سکتا ہے، یا کسی نے مدرسہ کے لیے زمین وقف کی تو جیسے دوسرے لوگ اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، خود واقف اور اس کی اولاد بھی اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، یہ اتفاقی بات ہے کہ واقف اپنے شیء موقوف سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے بلکہ بوقتِ وقف اگر نفع اٹھانے کی شرط بھی لگائے تو بھی جائز ہے۔ اور بلاشبہہ اس صورت کے ساتھ آیت اور نیوتہ حکم کا تعلق نہیں۔

(۲) موقوف شیء کو چندہ دینے والا اس نیت اور شرط سے چندہ دے کہ یہ وقف حوض جو شخصِ قانونی اور مثلِ زید کے ایک فرد ہے، مستقبل میں واپس دے گا بلکہ مستقبل میں اس کو جو دوسروں نے چندہ دیا ہے ان میں سے بھی کچھ دے گا، یہ صورت نیوتہ کی طرح قرض ہے، اور اس آیت کی وعید میں داخل اور حدیث ''کل قرض جر منفعة فهو ربا'' اور قولِ صحابی ''لا تعط عطية تلتمس بها أفضل منها'' کا مصداق ہے۔ اس صورت کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔ ورنہ حوالہ درکار ہے۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص مدرسہ کے لیے زمین وقف کرے پھر اس کے بعد

مدرسہ چلانے کے لیے چندہ دینے والا اس نیت سے چندہ دے کہ مستقبل میں یہ چندواپس ملے گا اور دوسروں کے دیے ہوئے چندہ میں سے بھی کچھ حصہ ملے گا۔ تو بھلا اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہہ ہے؟...... اور کس نے کہا ہے کہ یہ صورت آیت کی وعید اور نیوتہ کے حکم میں داخل نہیں؟

تکافل میں یہی دوسری صورت بنتی ہے، کیونکہ اولاً چندہ دینے والا اپنے چندے کو وقف نہیں کررہا، بلکہ وقف فنڈ جو شخص قانونی اور حکماً حقیقی شخص کی طرح ایک فرد ہے، اس کو اس نیت سے چندہ دیتا ہے کہ یہ شخصِ قانونی مستقبل میں زیادتی کے ساتھ چندہ واپس کرے گا۔

ثانیاً اگر چندہ دینے والا چندہ بطورِ وقف بھی دے تو زبان اور ترجمانانِ وقف حوض (شخصِ قانونی) اس وقف کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، کیوں کہ پھر اس صورت میں بزعمِ خویش "ہم خرما وہم ثواب" سے محرومی ہے۔

خود مجوزین حضرات لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ تکافل ماڈل میں درج ذیل خصوصیات (Features) پائی جائیں اور درج ذیل مقاصد حاصل ہوں:

(۱) چندہ دہندگان کا چندہ کسی شرط سے مشروط نہ ہو"............

(تکافل کی شرعی حیثیت صفحہ:۸۹)

یعنی ہر ایک صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، رضا اور دوسروں کی معاونت کے قصد سے چندہ دے، جیسے مختلف ٹرسٹوں، مدارس اور رفاہی اداروں کو دیا جاتا ہے۔

الحاصل تکافل کے چندے کو وقف ہسپتال، مدارسِ دینیہ اور دیگر رفاہی اداروں کے چندے پر قیاس کر کے جائز کہنا درست نہیں۔ دونوں میں اساسی اور بنیادی دو واضح فرق ہیں:

(۱) ان رفاہی اداروں کو چندہ دینے والوں کی اپنے چندہ کو یا اس کو کچھ زائد ملا کر واپس لینے کی نیت نہیں ہوتی جبکہ تکافل میں ہر ایک کی زیادتی کی نیت مسلم ہے، الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ جو مصیبت زدہ کی ہمدردی کرنا چاہتا ہے اس کے لیے کوئی وجہ ترجیح نہیں کہ تکافل سے وابستہ

متضررین سے ہمدردی زیادہ رکھے اور دوسروں سے کم۔

(۲) ان رفاہی اداروں کے بارے میں چندہ دینے والوں کو یقین کی حد تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ مساکین، غرباء اور مجبور اور مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت اور معاونت کے لیے بنائے گئے ہیں، اور ان کی اعانت اور خیر خواہی کی اکثر واغلب صورتیں معاوضہ کے شائبہ سے بھی پاک ہوتی ہیں۔ اس لیے چندہ دینے والے دل کھول کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے چندہ دیتے ہیں، جبکہ تکافل میں چندہ دینے والے کو یقین کی حد تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رفاہی ادارہ نہیں، اس کا مقصد وقف کے جامع لفظ کے ذریعے سے منافع حاصل کرنا، اور اپنی ٹھاٹ باٹھ کی زندگی، غیر معمولی تنخواہوں اور دیگر غیر معمولی سہولیات کو ''تحفظ دینا ہے''، اس لیے تکافل کے مستحقین اغنیاء ہی ہوتے ہیں۔ بقول ایک مجوز صاحب کے'' تمام وہ لوگ جنہوں نے قواعد (rules) کے مطابق فنڈ کی ممبر شپ حاصل کی ہے وہ فنڈ سے مستفید ہونے کے اہل ہیں''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۰)

اور ظاہر ہے کہ یہ ممبر شپ صرف اغنیاء ہی حاصل کر سکتے ہیں لہٰذا فقیر کے لیے تکافل میں اولاً تو وقف ہوتا ہی نہیں اور ثانیاً اگر ہو بھی تو برائے نام اور قلیل تر، جبکہ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وقف اصالۃً فقراء کے لیے ہے اور تبعاً اغنیاء کے لیے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى :(الوقف) على ثلاثة أوجه(اما للفقراء أو للاغنياء ثم الفقراء أو يستوى فيه الفريقان كرباط و خان و مقابر و سِقَايات وقناطر ونحو ذلک) كمساجد وطواحين وطست لاحتياج الكل لذلک بخلاف الادوية فلم يجز لغنى بلا تعميم أو تنصيص فيدخل الأغنياء تبعا للفقراء قنية.(الشامية ۴/۳۹۹،ط:ایچ ایم سعید)

وجہ نمبر ۱۱ کا حاصل : اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ نہ دینے والوں کو صدقہ کا ثواب ملا اور نہ ہی وقف فنڈ اس کا مالک بنا، بلکہ اہلِ تکافل کے ذمہ قرض ہے۔ لہٰذا اہلِ تکافل کے لیے ان رقوم کا استعمال حرام ہے اور ان پر واجب ہے کہ دینے والوں کو واپس کریں۔

وجہ نمبر ۱۲: تقسیمِ غلہ میں ضابطہ کی مخالفت:

اگر وقف مطلق ہے تو اس کی مختلف قسمیں ہیں، ہر قسم میں تقسیمِ غلہ کا ضابطہ اور حکم جدا ہے جبکہ تکافل میں اس ضابطہ اور حکم کی مخالفت ہوتی ہے...... کیوں؟...... جواب وقفِ مطلق اور اس کی اقسام کی درج ذیل تفصیل میں ملاحظہ ہو:

تقسیمِ غلہ کے اعتبار سے وقفِ مطلق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جن کو غلہ کا مستحق بنایا جاتا ہے وقف صرف انہیں پر نہ ہو جیسے واقف کہیں کہ میں نے یہ زمین وقف کر دی ہے البتہ اس کے غلہ میں سے مثلاً ایک ہزار زید کو اور دو ہزار عمرو کو دیا جائے گا۔

حکم: زید و عمرو کے لیے جو مقدار مقرر کی گئی ہے اگر غلہ اسی مقدار کے مطابق ہے تو کل غلہ شرط کے مطابق ان دونوں پر تقسیم ہوگا اور اگر کم ہے تو تناسب کے ساتھ اور زیادہ ہے تو زیادہ مساکین کے لیے ہوگا اور زید، عمرو میں سے جو مرے گا اس کا حصہ بھی مساکین پر تقسیم ہوگا، دونوں مر گئے تو سارا غلہ مساکین پر تقسیم ہوگا۔

ضابطہ اور کلیہ: ان سب صورتوں میں گویا اصل وقف مساکین کے لیے ہے یہ متعین افراد بطورِ استثناء مذکور ہے۔

فإن قال : هي صدقة موقوفة لزيد منها مائة درهم ولعمرو مائتان أعطى كل واحد منهما ما سمى له والباقي للفقراء كذا في الحاوي ....ولو قال : صدقة موقوفة لعبد الله نصفها ولزيد منها مائة يعطى عبد الله نصفها ويعطى زيد من النصف الباقي مائة والفضل للفقراء ولو لم تكن الغلة إلا مائة فالغلة كلها لزيد ولا شيء لعبد الله ولو كانت الغلة مائتي درهم فلعبد الله مائة ولزيد مائة ولا شيء للفقراء ولو كانت الغلة مائة وخمسين فلزيد مائة وما بقي فلعبد الله كذا في المحيط (الهندية ۲/۴۲۷،ط:رشيديه)

(۲) جن افراد کو وقف کے غلے کا مستحق بنایا جاتا ہے وقف بھی انہیں افراد پر ہو جیسے واقف نے کہا کہ یہ زمین زید اور عمرو پر وقف ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں :

(الف) استحقاق میں سب برابر ہوں...... جیسے کہ یہ زمین زید اور عمرو کے لیے وقف ہے۔

حکم : اس صورت میں کل غلہ ان دونوں پر برابر تقسیم ہوگا اور جب ایک مر جائے گا تو اس کا حصہ فقراء کو دیا جائے گا، دونوں مر گئے تو پورا غلہ فقراء پر تقسیم ہوگا۔

ولو جعل أرضه صدقة موقوفة على عبد الله وزيد فالغلة لهما ولو ماتا كانت الغلة كلها للفقراء وإن مات أحدهما كان النصف للفقراء وإن سمى جماعة قسمت الغلة بينهم على عدد رؤوسهم فإن مات أحدهم فحصته للفقراء وما بقي منهم ولو قال : على ولد عبد الله ولم يسم عددا فما بقي من ولد عبد الله أحد لم يكن للفقراء شيء كذا في الظهيرية.

(الهندية ۲/۴۲۷، ط: رشيدية كوئٹه)

(ب) استحقاق میں سب برابر نہ ہوں، جیسے کہا کہ زید کو ایک ہزار اور عمرو کو دو ہزار دیا جائے۔

حکم: اس صورت میں اگر غلہ تین ہزار ہے تو شرطِ واقف کے مطابق خرچ ہوگا اور اگر کم ہے تو شرط کے اعتبار سے جو تناسبِ نسبت ہے اس کے مطابق تقسیم ہوگا جیسے پندرہ سو ہے تو ثلث یعنی پانچ سو عمرو کو اور ثلثان یعنی ایک ہزار زید کو دیا جائے گا اور اگر زیادہ ہے تو شرط کے مطابق حصہ دینے کے بعد زائد حصہ ان میں برابر تقسیم ہوگا۔ جیسے چھ ہزار ہے تو اڑھائی ہزار زید کو اور ساڑھے تین ہزار عمرو کو دیا جائے گا۔ یعنی پہلے تین ہزار میں سے ایک ہزار زید کو اور دو ہزار عمرو کو شرط کے مطابق دیا جائے گا اور پھر باقی زائد تین ہزار ان میں برابر تقسیم ہوگا یعنی پندرہ سو زید کو اور پندرہ سو عمرو کو دیا جائے گا۔ اور ان میں سے جو بھی مرے گا اس کا حصہ مساکین میں تقسیم ہوگا، دونوں مر گئے تو سارا غلہ مساکین پر تقسیم ہوگا۔

ولو سمى زيدا أو عمرا وجعل النصف لزيد والثلثين لعمرو وسكت فإنه يقسم على سبعة على طريق العول لزيد ثلاثة ولعمرو أربعة .ولو قال : لزيد

النصف ولعمرو الثلث وسکت یعطی کل واحد ما سمی والباقی نصفین کذا فی خزانة المفتین .إذا قال : أرضی هذه صدقة موقوفة علی زید وعمرو ولعمرو منها الثلث أو قال : لعمرو منها مائة درهم فلعمرو ما سمی والباقی لمن سکت عنه وهکذا السبیل فی کل شیء یسمیه یعطی صاحب التسمیة ما سمی له والباقی للذی لم یسم له فإن قال : لزید منها مائة ولعمرو منها مائتان .فنقصت الغلة قسم الحاصل بینهما أثلاثا فإن زادت الغلة علی المسمی..........ولو قال أرضی هذه صدقة موقوفة فما یخرج من غلتها فلزید وعبد الله ألف درهم لعبد الله من ذلک مائة فخرج من غلتها ألف درهم کان لعبد الله من ذلک مائة والباقی لزید فإن خرجت خمسمائة قسمت الخمسمائة بینهم علی عشرة أسهم.

(الهندية ۲/ ۴۲۷،ط:رشيدية كوئٹه)

تکافل کا وقف ان میں سے جس قسم اور صورت میں داخل کیا جائے گا ضابطہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

بظاہر قسمِ اول میں معلوم ہوتا ہے کیوں کہ تکافل میں وقف مطلق ہوتا ہے اور پھر پالیسیوں کے تناسب سے مستحقین کے حصے مقرر کیے جاتے ہیں، گویا تکافل کے وقف میں کہا جاتا ہے کہ یہ نقود وقف ہیں مطلقاً، صرف بیان کردہ مستحقین موقوف علیہم کے ساتھ خاص نہیں، البتہ جو یہ پالیسی لے گا اس کو اس کے غلہ میں سے مثلاً پانچ لاکھ اور جو فلاں پالیسی لے گا اس کو دس لاکھ دیا جائے گا اب اس قسم کے حکم کے مطابق غلہ اور آمدنی وصول ہونے کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ غلہ اس وقت کے مستحقین کے مقرر کردہ حصوں کے برابر ہے یا کم ہے، یا زیادہ ہے، اگر برابر ہے تو پوری آمدنی اور غلہ اس وقت کے مستحقین پر شرط کے تناسب سے تقسیم ہوگا، کم ہے، تو حصص کے تناسب سے تقسیم ہوگا، زیادہ ہے تو مقرر کردہ مقدار ان مستحقین کو دی جائے گا اور زائد آمدنی و غلہ دوسرے مساکین فقراء پر تقسیم ہوگا، جبکہ اہل تکافل نہ اس مسئلہ کو جانتے ہیں اور نہ ہی عمل کرتے ہیں۔

تنبیہ: وقفِ مطلق کی ایک تیسری قسم بھی ہے، جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے لیکن مساکین اور فقراء کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اس کا غلہ پورا کا پورا مساکین ہی پر تقسیم ہوگا، اغنیاء پر خرچ کرنا حرام اور ناجائز ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں وقف ہی ناجائز ہے،...... لہٰذا ان کے قول کے مطابق نہ وقف فنڈ بنے گا نہ شخصِ قانونی اور چندہ بدستور دینے والوں کی ملک میں رہے گا، اور اہلِ تکافل پر اس چندہ کا واپس کرنا واجب ہوگا اور تصرف کرنا حرام۔

اس مختصر تفصیل سے واضح ہو گیا کہ یہ قسم بھی اہلِ تکافل کے لیے مفید نہیں بلکہ مضر ہے...... کیونکہ وقفِ تکافل میں وقفِ مطلق کی اس قسم کے حکم اور ضابطہ کی بھی مخالفت ہے۔

لہٰذا اگر اہلِ تکافل اس قسم کے وقفِ مطلق کا دعویٰ کریں تو یہ بھی درست نہ ہوگا۔

مزید تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

تیسری قسم کی تعریف اور اس کے حکم کی تفصیل:

وقفِ مطلق میں صرف وقف کا ذکر ہو اور موقوف علیہم کا کلاً یا بعضاً کسی طور پر ذکر نہ ہو، جیسے "داری هذه موقوفة، داری هذه صدقة موقوفة"۔ میرا یہ گھر وقف ہے ...... یا...... میرا یہ گھر صدقہ اور وقف ہے۔

وقفِ مطلق کی اس قسم سے وقف صحیح ہو جاتا ہے یا نہیں؟............ جواب یہ ہے کہ............

وقفِ مطلق کی اس قسم میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عرف کی وجہ سے اس کو فقراء کے ساتھ خاص فرما کر جائز فرماتے ہیں اور بعض نے اس قول کو مفتیٰ بہ بھی قرار دیا ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت کو اس وجہ سے کہ اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اگر یہ وقف اغنیاء کے لیے ہے تو جائز نہیں اور دوسرا یہ کہ اگر یہ فقراء کے لیے وقف ہے تو جائز ہے، اب شک واقع ہوا لہٰذا یہ وقف درست نہ ہوگا۔

ولو قال: أرضي هذه موقوفة أو قال: داري هذه موقوفة أو قال: أرضي هذه أو قال: داري هذه فعلى قول أبي يوسف يكون وقفاً وقال محمد وهلال لا

يكون وقفاً وكذلك على قول الخصاف وأهل البصرة لا يكون وقفاً.........وجه قول محمد أن قوله: وقفت أرضي يحتمل وقفها على الفقراء فيكون وقفاً تاماً ويحتمل وقفها على الأغنياء فلا يكون وقفاً بالشك وأبو يوسف يقول: العرف الظاهر فيما بين الناس إنهم يريدون بهذا الوقف على الفقراء وكان مشايخ بلخ يفتون بقول أبي يوسف قال صدر الشهيد في واقعاته ونحن نفتي به أيضا. (المحيط البرهاني ۴۸۶/۸، ط: ادارة القرآن)

لہٰذا اس قسم کے مطابق اگر تکافل کا وقف وقفِ مطلق ہے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق صرف مساکین پر اس کا غلہ وآمدنی صرف کرنا جائز ہوگا اغنیاء پر صرف کرنا حرام ہوگا جبکہ وقفِ تکافل میں اکثر غلہ اور آمدنی بلکہ پورا کا پورا اغنیاء پر ہی صرف کیا جاتا ہے، فقراء کے حق کو اغنیاء پر خرچ کرنا گناہ ہے یا نہیں؟......اور قیامت میں جب یہ فقراء اپنے حق کا مطالبہ کریں گے تو گلوخلاصی کے لیے کیا کوئی حیلہ اور تدبیر ہوسکتی ہے؟...........جبکہ اصل مسئلہ تو آخرت کا ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لیتے ہیں تو یہ وقف ہی صحیح نہیں اور جب وقف صحیح نہ ہوا تو نہ فنڈ بنا نہ حوض اور شخصِ قانونی چندوں کا مالک ہوا نہ چندے چندہ دینے والوں کی ملکیت سے خارج ہوئے، اب اس صورت میں کیا سب مُلاک کو (اگر زندہ ہوں) واپس کرنا یا (مرنے کی صورت میں) ورثہ کو واپس کرنا کیا اہلِ تکافل کے ذمہ فرض اور لازم نہیں ہے؟......اور اس چندہ میں اہلِ تکافل کے لیے مالکانہ تصرفات کرنا حرام نہیں ہے؟...........دونوں باتوں کا جواب ظاہر ہے۔

وجہ نمبر ۱۳: وقف کو تحفظ دینے کے لیے "ری تکافل" کا سہارا لینا:

واضح رہے کہ جس طرح ایک عام آدمی اور انشورنس کمپنی اپنے مستقبل کے پیش آمدہ خطرات ونقصانات سے نمٹنے کا پیشگی انتظام انشورنس (بیمہ) تکافل یا ری انشورنس پالیسی لے کر کرتے ہیں بالکل ایسے ہی تکافل کمپنی کو بھی یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ کہیں نقصانات کا ازالہ کرتے کرتے اس کا بھی دیوالیہ نہ ہوجائے، اس لیے اسے بھی بالکل عام آدمی اور عام انشورنس

کمپنیوں کی طرح کسی کمپنی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور ایسی کمپنیوں کو ''ری تکافل'' کمپنیاں کہتے ہیں۔ مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''ہر انشورنس کمپنی اپنے خطرات کا کچھ حصہ دوسری انشورنس کمپنی کے پاس انشور کرواتی ہے، مثلاً اسی فیصد اپنے ذمہ رکھ کر بیس فیصد حصہ کا انشورنس دوسری کمپنی کے پاس کرواتی ہے .... (آگے لکھتے ہیں) .... تکافل کمپنی بھی اس ضرورت اور قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۵)

لہٰذا خطرات سے بچنے کے لیے تکافل کمپنی کے سامنے دو صورتیں ہیں:

(۱) عام انشورنس کمپنیوں کی طرح ری انشورنس کمپنیوں سے معاملہ کرے۔

(۲) ری تکافل کمپنیوں سے معاملہ کرے۔

عرب کے علماء نے پہلی صورت کو جائز قرار دیا ہے، جیسے سائل نے اپنے سوال میں لکھا ہے:

''عرب کے علماء نے ان کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ جب تک شرعی بنیادوں پر اعادۃ التکافل کا نظام مستحکم نہ ہو اس وقت تک وہ بدرجۂ مجبوری مروجہ ری انشورنس کمپنیوں سے اعادۃ التأمین کرا سکتی ہیں، ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ تامین کی حرمت ربا اور قمار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ عقدِ غرر ہے................ اور غرر کو حاجتِ عامہ کی بناء پر گوارا کیا جا سکتا ہے۔
(تکافل کی شرعی حیثیت: ۱۲۰)

مولانا عصمت اللہ صاحب نے اس صورت کو رد کر کے دوسری صورت کی اجازت دی ہے چنانچہ اسی سوال کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں:

''ری انشورنس'' میں انشورنس کی ان صورتوں کی طرح جہاں پورے ''پریمیم'' کے ڈوبنے کا خطرہ ہو وہاں ''غرر'' کے علاوہ ''قمار'' بھی ہے اور جہاں ''پریمیم'' ڈوبنے کا ڈر نہ ہو وہاں ''غرر'' ہونا تو بہر حال طے ہے اور ''غرر'' کو شریعت نے حاجتِ عامہ ہی کی بنیاد پر ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا محض حاجتِ عامہ

کے پیشِ نظر اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ کہ تکافل کمپنیوں کے لیے مروجہ ”ری انشورنس“ سے انشورنس کی سہولت لینا جائز نہیں بلکہ کسی ری تکافل کمپنی کو اختیار کرے، گو اس کی تعداد فی الحال کم ہے نیز ”ری تکافل“ کمپنیاں زیادہ تر تبرع پر مبنی ہیں، وقف پر نہیں۔ تاہم فی الحال بدرجۂ مجبوری اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے کیونکہ ”تبرع بیسڈ“ تکافل کے جواز کی بڑی تعداد علماء میں سے قائل ہے اور بہت سے اسلامی ممالک میں یہی ماڈل زیرِ عمل ہے“۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۲۰، ۱۲۱)

تعجب ہے کہ ”ری انشورنس“ جس میں بعض صورتوں میں ”قمار“ ہے اور باقی صرف ”غرر“ ہے اور ”سود“ کا شائبہ تک بھی نہیں، کو عرب کے علماء کے جائز قرار دینے کے باوجود ناجائز فرما رہے ہیں اور ”ری تکافل“ جس کی بنیاد ”التزامِ تبرع“ پر ہے، کو جائز فرما رہے ہیں بلکہ مشورہ دے رہے ہیں؟؟

حالانکہ خود ”اس تکافل جس کی بنیاد تبرع پر ہو“ کی تردید کرتے ہوئے یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ”التزامِ تبرع“ کا ماڈل ”عقدِ معاوضہ“ اور ”بحکمِ بیع“ ہے اور ظاہر ہے کہ عقدِ معاوضہ اور بیع کی صورت میں ”سود قمار اور غرر“ تینوں خرابیاں لازم آتی ہیں، نیز اس کے علاوہ کئی اور شرعی خرابیاں بھی خود بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

تکییفِ دوم:

التزامِ تبرع: بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ مذکورہ ماڈل کی بنیاد التزامِ تبرع پر ہے......................۔

تردید:

”اگرچہ یہ فقہی تکییف ”ہبۃ الثواب“ کے مقابلہ میں اچھی ہے لیکن یہ اس وقت اچھی ہوتی جبکہ اس میں التزام ایک جانب سے ہوتا، لیکن یہاں تو التزام

دونوں جانبوں سے ہے یعنی چندہ دہندگان کی طرف سے بھی التزام ہے اور پول کی طرف سے بھی التزام ہے، لہٰذا یہ صورت بھی نتیجے کے اعتبار سے ''ہبۃ الثواب'' ہی کی ہوئی جو بحکمِ بیع ہے، لہٰذا یہ تخریج (توجیہ) بھی شرعاً درست نہیں۔

تبرع کی صورت میں مزید مشکلات

تبرع کی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ چندہ دہندگان نے پول کو چندہ دیا تو پول تو اس کا مالک نہیں ہوا، کیونکہ ہبہ یا تبرع کی صورت میں پول کا کوئی الگ سے قانونی یا شرعی وجود نہیں، کیونکہ اس صورت میں پول یا فنڈ نہ شخصِ حقیقی ہے اور نہ شخصِ قانونی اور جب وہ قانونی شخص نہیں اور نہ ہی حقیقی شخص ہے تو وہ کس طرح مالک بنے گا؟ لہٰذا اس چندہ کی زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہونی چاہیے کیونکہ وہ اس کا اب بھی مالک ہے، اس میں اس نظریہ کے قائل علماءِ کرام مختلف رائے رکھتے ہیں، بعض زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔

نیز اگر تبرع کرنے والے (چندہ دہندہ) کا انتقال ہو گیا تو اس کا دیا ہوا پیسہ اس کی میراث میں شمار ہونا چاہیے حالانکہ تکافل کے موجودہ نظام میں میراث کے احکام لاگو کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس تکییف کی صورت میں درج ذیل شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱) اس صورت میں تکافل بھی مروجہ بیمہ کی طرح عقد معاوضہ بن جائے گا اور غرر ور با جیسے مفاسد اس میں مؤثر ہو جائیں گے۔

(۲) چندہ کی رقم چندہ دہندہ کی ملکیت سے نہ نکلنے کی وجہ سے شرعی ضابطہ کے مطابق اسکی زکوٰۃ چندہ دہندہ پر واجب ہونی چاہیے۔

(۳) چندہ دہندہ کے انتقال کی صورت میں دیا ہوا پیسہ اس کے ترکہ میں شمار ہونا چاہیے۔

(۴) نیز جب پول کا احسان چندہ دہندہ کے احسان کے ساتھ مشروط ہے اور دونوں پر اپنا اپنا احسان لازم ہے تو یہ ''جبر فی التبرع'' ہو گیا یعنی زبردستی کا احسان جس کا باطل ہونا ظاہر ہے چنانچہ زیادہ تر لوگوں کو تکافل کے بارے میں یہی اشکال رہتا ہے اس کے علاوہ بھی تبرع کی صورت میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں جن کا جواب اور حل کوئی آسان کام نہیں''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت ص :۸۵تا۸۸)

مولانا عصمت اللہ صاحب کی اس تفصیلی تحریر سے ظاہر ہوا کہ ری انشورنس کے مقابلے میں ری تکافل کمپنی میں شناعت اور مفسدہ زیادہ ہے کیونکہ اس میں غرر کے ساتھ ربا بھی ہے تو جب انشورنس، ری انشورنس سے تکافل کمپنی کا معاملہ جائز نہیں تو ری تکافل جس کا ماڈل التزام تبرع پر قائم ہے، کے ساتھ بطریقِ اولیٰ ناجائز ہوگا اور جس طرح بدوں دلیل یا کمزور دلیل پر مشتمل ری انشورنس کو عرب کے علماء کے قولِ جواز کے باوجود اختیار کرنا قابلِ تحمل نہیں ہے تو ری تکافل کا ماڈل جو التزامِ تبرع پر مبنی ہے، کو بدوں دلیل محض علماء کے کہہ دینے سے اختیار کرنا بھی قابلِ تحمل نہ ہوگا۔

لہٰذا خود واضح تحریر لکھ کر اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد محض شرعی اصطلاحات کو خلافِ محل استعمال کر کے اس کی شناعت کو انشورنس کے مقابلے میں ''اہون'' اور ہلکا دکھانا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔؟؟؟

تنبیہ: ''تکافل'' کمپنیاں تو اپنے پیش آمدہ خطرات اور دیوالیہ ہونے سے بچاؤ کے لیے ''ری تکافل'' کا سہارا لیتی ہیں، جبکہ ''ری تکافل'' کمپنی کو بھی اسی طرح کے خطرات پیش آنا عین ممکن ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''ری تکافل'' کمپنی کو بھی اپنے خطرات کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سہارے اور مدد کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ضرورت ہے تو کیا وہ

کسی اور کا سہارا لیتی ہے یا نہیں؟ اگر لیتی ہیں تو ہم اس پر بات کریں گے......الخ

اگر نہیں لیتی تو جب ''ری تکافل'' کمپنیاں مخلوق کے سہارے کے بغیر چل سکتی ہیں تو ''تکافل'' کمپنیاں کیوں نہیں؟ اور اگر تکافل کمپنیاں چل سکتی ہیں تو ایک عام مسلمان بدوں تکافل کمپنی کا سہارا لیے محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے سہارے کیوں نہیں چل سکتا؟ اور اگر چل سکتے ہیں تو سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کے لیے شرعی اصطلاحات کا قتل کس لیے؟

نیز حضرات مجوزین کے تکافل کمپنی کو ملنے والے چندہ (پریمیم) کو تبرع کہنے پر مزید ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعۃً یہ تبرع ہے تو اس کے تحفظ کے لیے کیونکر ری تکافل کا سہارا لیا جارہا ہے جو بجائے خود شرعی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ محض تبرعات کے لیے ری تکافل کمپنیوں کا سہارا لینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ چندہ تبرع نہیں بلکہ عقدِ معاوضہ ہے۔

وجہ نمبر ۱۳ کا حاصل : مجوزین کی اپنی تحریرات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ری تکافل سے جو فنڈ اور آمدنی تکافل کمپنی کو حاصل ہوگی، وہ ربا قمار اور غرر جیسے ناجائز معاملات کے نتیجے میں حاصل ہوگی اور ظاہر ہے کہ ان معاملات سے حاصل ہونے والی آمدنی خالص حرام اور ناجائز ہے، لہٰذا ری تکافل کمپنی سے معاملہ کرنے کی بناء پر دو وجہ سے تکافل کمپنی بنانا اور اس میں چندہ دے کر اس میں شرکت اور ممبر شپ اختیار کرنا ناجائز ہوگا:

(۱) تکافل کمپنی اور آپریٹر جو سب شرکاء کا وکیل ہے سود، قمار اور غرر کا گناہ کر کے سارے موکلین کو سود اور قمار جیسے گناہ کا مرتکب بنا رہے ہیں جس کی شناعت اور ان پر شدید ترین وعیدیں کثرت سے قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔

(۲) اس حرام آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ کسی بھی صورت میں موکلین اور متعلقین کو دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صریح حرام ہے۔

وجہ نمبر ۱۴: قاعدہ ''العبرۃ فی العقود للمعانی'' کی مخالفت:

فقہ کے قاعدہ ''العبرۃ فی العقود للمعانی'' کے پیش نظر تکافل میں جو چندہ دیا جاتا

ہے وہ صرف الفاظ کی حد تک ہے، باقی معناً یہ عقدِ معاوضہ ہے، لہٰذا بیمہ اور انشورنس کی طرح یہ بھی سود، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

قاعدہ فقہیہ کہ "معاملات میں معانی کا اعتبار ہے" کی تفصیل:

اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ آپس کے معاملات میں جہاں الفاظ اور حقیقت میں اختلاف ہوگا وہاں حقیقت کے مطابق حکم ہوگا۔

اس قاعدے پر متفرع ہونے والی چند امثلہ درج ذیل ہیں:

(۱) ہبہ بشرط العوض: کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا میں آپ کو اپنی گاڑی ہبہ کر رہا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ بدلے میں اپنا گھر مجھے تحفے میں دے دو۔

اب دونوں طرف سے الفاظ ہبہ اور تحفہ کے ہیں لیکن حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالی کی تصریح کے مطابق یہ ابتداء میں ہبہ ہے لیکن انتہاء میں دراصل "بیع" ہے، اس لئے ان حضرات نے اس پر بیع کے تمام احکام جاری فرمائے ہیں۔

(۲) کفالہ اور حوالہ: کہ بعض صورتوں میں الفاظ کفالہ کے ہوتے ہیں اور حقیقت حوالہ کی ہوتی ہے، اسی طرح بعض صورتوں میں الفاظ حوالہ کے ہوتے ہیں اور حقیقت کفالہ کی ہوتی ہے۔ایسی صورت میں حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالی نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ معاملہ الفاظ کے مطابق نہ ہوگا بلکہ حقیقت کے مطابق پہلی صورت میں حوالہ اور دوسری صورت میں کفالہ ہوگا اور بہر صورت حقیقت کے مطابق تمام احکام جاری ہوں گے۔

پہلی صورت کی مثال: جیسے کوئی شخص "کفالہ" میں "اصیل" کے بری الذمہ ہونے کی شرط لگا دے تو یہ شرعاً "حوالہ" ہوگا، اگرچہ نام "کفالہ" کا استعمال کیا ہے۔

دوسری صورت کی مثال: جیسے کوئی شخص "حوالہ" میں اصیل سے بھی مطالبے کی شرط لگا دے تو یہ "کفالہ" بن جائے گا۔

(۳) صلح بالمال کا معاملہ: مالی جھگڑوں میں بوقتِ صلح، الفاظ صلح کے استعمال ہوتے

ہیں کہ فلاں حق کے مقابلے میں اتنی رقم پر میں نے صلح کرلی اور حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حقیقت کے پیشِ نظر اسے بیع فرماتے ہیں، پھر اگر اس میں صحتِ بیع کی شرائط موجود ہیں تو اس صلح کو صحیح اور جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر صحتِ بیع کی شرائط موجود نہیں تو اسے ناجائز اور باطل فرماتے ہیں۔ جیسے کسی نے کسی کی کتاب چوری کی، پھر صلح ایک ہزار پر ہوئی تو اس صلح کو جائز فرماتے ہیں، کیونکہ یہ بیع صحیح ہے، گویا اس نے کتاب ہزار میں بیچ دی، اور اگر کسی کا دوسرے پر پانچ ہزار قرض ہو اور اس کے بدلے چھ ہزار پر صلح کرلے تو بیع کی وجہ سے اس صلح کو ناجائز اور سود فرماتے ہیں۔

قال العلامة الزيلعي رحمه الله تعالىٰ : قال رحمه الله (فإن وقع عن مال بمال بإقرار اعتبر بيعا)؛ لأن معنى البيع قد وجد فيه و هو مبادلة المال بالمال عن تراض فتجرى فيه أحكام البيوع و هذا؛ لأن الأصل فى الصلح أن يحمل على أشبه العقود له فتجرى عليه أحكامه؛ لأن العبرة للمعانى دون الصور؛ و لهذا جعلت الهبة بشرط العوض بيعا و الكفالة بشرط براءة الأصيل حوالة و الحوالة بشرط أن لا يبرأ الأصيل كفالة ثم إذا وقع عن مال بمال ينظر فإن وقع على خلاف جنس المدعى فهو بيع وشراء كما ذكرنا هنا و إن وقع على جنسه فإن كان بأقل من المدعى فهو حط و إبراء و إن كان بمثله فهو قبض و استيفاء و إن كان بأكثر منه فهو فضل و ربا.

(تبيين الحقائق ۵/ ۳۱، ط: سعيد)

(۴) نکاح کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر کسی نے بوقتِ عقدِ نکاح لفظ تزویج اور نکاح کو چھوڑ کر بیع یا ہبہ کا لفظ استعمال کیا تو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کو الفاظ کے مطابق بیع اور ہبہ نہیں کہا جائے گا بلکہ حقیقت اور معنی کے پیشِ نظر اس کو نکاح کہا جائے گا۔

(۵) اگر ترکہ میں کچھ دیون بھی ہوں اور ورثہ تقسیمِ ترکہ میں دیون بعض کو دے کر بقیہ میراث سے خارج کردیں تو یہ تقسیم فاسد ہے کیونکہ اگرچہ الفاظ میں یہ تقسیم ہے مگر حقیقت میں یہ بیع ہے گویا کہ تمام ورثہ کا جو لوگوں پر دیون کا حصہ ہے وہ ایک ہی وارث پر فروخت کررہے ہیں اور یہ ''بیع الدین من غیر من علیہ الدین'' ہے جو ناجائز ہے۔

اسی طرح دیون کا وصول ہوجانے سے قبل آپس میں تقسیم کرنا بھی ناجائز اور مُفسدِ تقسیم ہے، کیونکہ تقسیم کا معنی ہے ''افراز'' یعنی شرکاء کے حصوں کو جدا جدا کرنا اور دین میں یہ ممکن نہیں کیوں کہ سارا کا سارا ہی ذمہ پر مجتمع ہوتا ہے۔

قال العلامة ابن مازة البخاری رحمه الله تعالیٰ : وإذا كان بعض التركة ديناً فاقتسموها وشرطوا الدين في قسم بعضهم فالقسمة فاسدة؛ لأنهم باعوا الدين من غير من عليه الدين وكذلك إذا اقتسموا الدين فيما بينهم فالقسمة فاسدة؛ لأن القسمة للإفراز وذلك لا يتحقق في الدين قبل القبض؛ لأن قبل القبض الدين مجتمع في مكان واحد.

(المحیط البرهانی ۱۱/۱۷۷، ط:ادارة القرآن)

(۶) جی پی فنڈ جس میں الفاظ ربا کے ہوتے ہیں لیکن حقیقت ربا کی نہیں ہوتی، اکابر علیہم الرحمہ نے اس کو ربا کے نام کی وجہ سے سود اور ناجائز نہیں فرمایا، بلکہ حقیقت کے پیش نظر اس کو ادارے کی طرف سے انعام، تبرع اور جائز فرمایا ہے۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

> ''بنا بریں محکمہ، پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر جو زیادتی اپنی طرف سے دے رہا ہے اس پر شرعی اعتبار سے ربا کی تعریف صادق نہیں آتی خواہ محکمہ نے اس کو سود کا نام لے کر دیا ہو''۔ (جواہر الفقہ ۳/ ۲۷۷، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

چونکہ تکافل اور پالیسی ہولڈر کے درمیان بھی ایک معاملہ ہوتا ہے جس کے الفاظ الگ ہیں اور حقیقت و معنی الگ، یعنی الفاظ میں دونوں جانب سے تبرع ہے البتہ ایک جانب سے تبرع

کے لیے لفظ ''چندہ'' اور دوسری جانب سے تبرع کے لیے لفظ ''عطائے مستقل'' اور ''وقف کا موقوف علیہ پر خرچ کرنا'' استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں جدا جدا اور مستقل تبرعات ہیں، ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں...... جبکہ حقیقت اور معنی میں یہ عقدِ معاوضہ اور بیع ہے...... پالیسی ہولڈر ''مشتری اور خریدار'' ہے...... تکافل کمپنی ''بائع اور بیچنے والی'' ہے...... چندہ ''ثمن'' (قیمت) ہے جو اقساط کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے...... وقف کا تلافیِ نقصان کی صورت میں ''عطائے مستقل'' کے نام سے کچھ دینے کی پالیسی ''مبیع'' (بیچی جانے والی چیز) ہے۔

لہٰذا قاعدہ فقہیہ ''معاملات میں معانی کا اعتبار ہے'' کے پیشِ نظر یہاں بھی حقیقت اور معنی کا اعتبار ہوگا اور یہ معاملہ عقدِ معاوضہ اور بحکمِ بیع ہوکر غرر، سود اور قمار کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ ...... جیسے خود مجوزین حضرات نے جانبین سے التزامِ تبرع کی صورت میں تبرع کے الفاظ کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ اس قاعدے کی وجہ سے اس معاملے کی حقیقت اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو عقدِ معاوضہ اور بحکمِ بیع فرمایا ہے...... چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ یہ (التزامِ تبرع) فقہی تکییف ''ہبۃ الثواب'' کے مقابلہ میں اچھی ہے لیکن یہ اس وقت اچھی ہوتی جبکہ اس میں التزام ایک جانب سے ہوتا، لیکن یہاں تو التزام دونوں جانبوں سے ہے یعنی چندہ دہندگان کی طرف سے بھی التزام ہے اور پول کی طرف سے بھی التزام ہے، لہٰذا یہ صورت بھی نتیجے کے اعتبار سے ''ہبۃ الثواب'' ہی کی ہوئی جو بحکمِ بیع ہے، لہٰذا یہ تخریج (توجیہ) بھی شرعاً درست نہیں۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۸۷)

تنبیہ: جانبین سے التزام کی صورت میں ہر التزام مستقل ہے، ایک کا التزام دوسرے کے التزام سے مشروط نہیں ہے، پھر بھی بقول مجوزین حضرات کے عقدِ معاوضہ میں داخل، بحکمِ بیع، ناجائز اور سود ہے...... بعینہ وقف ماڈل میں بھی دونوں جانب سے الفاظ میں التزام تبرع

ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک جانب سے تبرع کا نام ''وقف'' اور ''عطائے مستقل'' ہے، جس کا واقف نے ''شرط الواقف کنص الشارع'' کے پیشِ نظر اپنی شرط کی وجہ سے التزام کیا ہے، اور التزام بھی اتنا مضبوط کہ دوسرے کو قانونی چارہ جوئی کا حق بھی دیا ہے، اور دوسری جانب سے تبرع کا نام ''چندہ'' ہے، جس کا چندہ دہندگان نے نذر کی وجہ سے التزام کیا ہے، چنانچہ مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

سوال: ممبر اگر فنڈ کو چندہ نہ دے تو اس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں کیونکہ التزام کے نتیجے میں اس پر ادائیگی ضروری ہے لیکن اگر وہ مزید چندہ نہیں دیتا تو اس کی ممبر شپ ختم کی جا سکتی ہے۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۲۳)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک چندہ کا تعلق ہے تو وہ وقف ہے ہی نہیں بلکہ وہ مملوکِ وقف ہے، جس میں علی النفس کی بحث نہیں آتی، کیونکہ یہ وقف ہی نہیں جیسا حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے وقف کی بنیاد پر تکافل ماڈل نظام کے لیے لکھے گئے اپنے مقالے میں درج ذیل الفاظ میں صراحت فرمائی ہے:

مایتبرع به المشتركون يخرج عن ملكهم ويدخل في الصندوق الوقفي وبما انه ليس وقفا وانما هو مملوك للوقف.

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اس وقف فنڈ کو چندہ دے کر اس کا رکن بنے گا وہ گویا کہ موقوف علیہ ہو جائے گا اب اس کو واقفین کی شرط کے مطابق فنڈ سے فوائدِ مقررہ ملیں گے لان شرط الواقف کنص الشارع جس کو حضرت مدظلہ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ:

مايحصل عليه المشتركون من التعويضات ليس عوضا عما تبرعوا به و انما هو عطاء مستقل من صندوق الوقف لدخولهم في

جملة الموقوف عليهم حسب شرائط الوقف.

اس تفصیل سے درج ذیل باتیں واضح ہوگئیں:

(۱) شریکِ فنڈ کو فوائد شریک کی کسی شرط کی وجہ سے نہیں مل رہے ہیں بلکہ وہ فنڈ کو چندہ دے کر فنڈ کا رکن بن گیا اب اس کو فوائد واقفین کی شرط کی وجہ سے منجملہ موقوف علیہم میں شامل ہو کر مل رہے ہیں لہٰذا اس کا عطائے مستقل ہونا بھی واضح ہوگیا جس کی وجہ سے یہ تبرع سے خارج نہیں ہوگا اگر چہ چندہ دیتے وقت اور ممبر بنتے وقت اس کے دل یا ذہن میں اس فنڈ سے استفادہ کی لالچ ہو یا یہ غرض پیشِ نظر ہو۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۲۴، ۱۲۵)

الحاصل! یہاں بھی معناً وحقیقۃً دونوں جانب سے التزام ہے، اگر چہ التزام کی علتیں جدا ہیں، لیکن اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جہاں بھی جانبین سے التزام کی علتیں مختلف ہوں گی وہاں حقیقت بھی مختلف ہوگی، ورنہ دلیل پیش کی جائے۔

مثلاً ایک شخص دوسرے کو یوں کہے کہ اگر آپ کھیل میں جیت گئے تو **المواعيد قد تكون لازمة** کے تحت وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اتنے پیسے دوں گا، اور دوسرا شخص پہلے کو یوں کہے کہ اگر آپ جیت گئے تو اللہ کے واسطے میں یہ نذر مانتا ہوں کہ آپ کو اتنے پیسے دوں گا۔

اس مثال سے یہ بات مزید مؤکد اور پختہ ہوگئی کہ التزام کی علتوں کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلتی، دیکھیے! یہاں اس مثال میں بھی ہر ایک نے التزام کی ایک الگ وجہ اپنائی ہے، ایک نے وعدے کی بنیاد پر اور دوسرے نے نذر کی وجہ سے خود پر ایک چیز لازم کر لی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ علتوں کا یہ اختلاف اس معاملے کو اس کی حقیقت یعنی عقدِ معاوضہ بحکم بیع (جو مستلزم ہے جوا اور قمار کو) سے نہیں نکالتا، بلکہ حقیقت برقرار رہے گی، آج تک الفاظ کی ہیرا پھیری اور التزام کی وجوہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس معاملہ کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا ہے، اور یقین ہے کہ آئندہ بھی کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں ہوگا۔

وجہ نمبر ۱۴ کا حاصل:

مذکورہ بالا قاعدے کی تفصیل سے ثابت ہوا کہ تکافل کمپنی کی جانب سے تعاون اگرچہ عطائے مستقل کے نام سے ہوتا ہے اور پالیسی ہولڈر کی جانب سے چندہ کے نام سے ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ان کے آپس کا لین دین عقدِ معاوضہ اور بیع ہے، لہٰذا انشورنس اور بیمہ کی طرح تکافل بھی ربا، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

تنبیہ ۱ : مجوزین تکافل پر جب یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ ممبر جو چندہ دیتا ہے وہ مستقبل میں زیادہ ملنے کی نیت اور امید میں دیتا ہے اور وقف فنڈ بھی ان کے نقصانات کی تلافی چندہ ہی کے نتیجے میں کرتا ہے لہٰذا یہ جانبین سے التزام اور عقدِ معاوضہ ہوا؟ تو اس اشکال کا جواب حضرات مجوزین کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ ممبر کا چندہ دینا تبرع اور احسان ہے اور پول کی جانب سے نقصانات کی تلافی ''عطائے مستقل'' ہے، سابقہ عقد کے نتیجے میں نہیں، گو ممبر اسے مشروط ہی سمجھے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ کیا بلا دلیل محض زبان سے اس کو''عطائے مستقل'' کہہ دینے سے یہ عقدِ معاوضہ'' سے خارج ہو جائے گا؟ اگر احکام شرع میں اس قسم کے جواز کے حیلے نکالے جائیں گے تو کل کو عقدِ فاسد و باطل کے نتیجے میں حاصل ہونے والی حرام آمدنی کو''عطائے مستقل'' کا نام دے کر حلال کیا جانے لگے گا، مثلاً بیع قبل القبض کے فساد اور اس پر نفع کی حرمت سے بچنے کے لیے اگر بائع یہ کہے کہ میں **المواعید قد تکون لازمة** کے تحت یہ لازمی وعدہ کرتا ہوں کہ فلاں تاریخ تک یہ مال اس کو ہدیہ اور ہبہ کروں گا جو میرے لیے اتنی رقم کا لازمی وعدہ کرے یا التزامِ تبرع کرے اور خریدار یہ کہے کہ جو مجھے اتنا مال فلاں تاریخ تک دینے کا لازمی وعدہ کرے گا میں لازمی وعدہ کے طور پر یا تبرعاً اسے اتنی رقم دینے کا التزام کرتا ہوں۔

اسی طرح بحریہ ٹاؤن اور اس جیسی دوسری سوسائٹیاں جو پلاٹوں کو اس شرط کے ساتھ بیچتے ہیں کہ بوقتِ بیع ان کو قبضہ نہیں دیا جائے گا بلکہ قبضہ کئی سال بعد دیا جائے گا اور اس شرط کی وجہ سے علماء کی ایک کثیر تعداد نے ان کی اس بیع کو صریح عباراتِ فقہیہ کی بنیاد پر ناجائز اور فاسد

قرار دیا ہے..........ان کو اگر یہ حیلہ بتایا جائے کہ.....بحریہ ٹاؤن والے...... **المواعید قد تکون لازمة**...... کے تحت یہ کہیں کہ ہم ان لوگوں کو اتنی مدت کے بعد فلاں تاریخ تک ہدیہ اور تحفہ میں اتنے گز کا پلاٹ دیں گے جو ہماری کمپنی کے پول کے لیے اتنی رقم قسط وار دینے کا التزامِ تصدق کرلے اور.....خریدار...... یہ کہے کہ پلاٹ کی قیمت کے بقدر جو اتنی مدت تک ان شرائط کے تحت مجھے تحفے میں پلاٹ دے گا، میں اس کے لیے اتنی رقم کا تبرعاً التزام کرتا ہوں۔

ان دونوں صورتوں کے جواز کے لیے تکافل نے حیلہ ایجاد کیا ہے......کیونکہ یہاں بھی ایک جانب سے......لزوم......التزامِ تبرع کی وجہ سے ہے...... اور دوسری جانب سے ......لزوم...... **المواعید قد تکون لازمة**......کی وجہ سے ہے......جیسے......تکافل میں موقوف علیہم (پالیسی ہولڈرز) کا......لزومِ چندہ...... التزام تبرع و تصدق کی وجہ سے ہے ......جیسے......مولانا عصمت اللہ صاحب فرماتے ہیں :

"..........کیوں کہ التزام کے نتیجے میں اس پر ادائیگی ضروری ہے"

(تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۲۳)

اور وقف کی جانب سے......لزومِ تلافیٔ نقصان...... **شرط الواقف کنص الشارع** ...... کی وجہ سے ہے......اگرچہ وہ الفاظ میں اس کو "عطائے مستقل" کہتے ہیں۔

عطائے مستقل کا یہ مطلب نہیں کہ شرط لگاتے وقت واقف کے ذہن میں یہ چندہ دینے والے نہ تھے، بلکہ اس کے ذہن میں تھے بلکہ صراحتاً الفاظ میں بھی ان کا ذکر ہے کہ جو ہمارے وقف کو چندہ دے گا وہی مستحق اور موقوف علیہ ہوگا اور ہم اسی پر خرچ کریں گے۔

مولانا مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

"عطائے مستقل اس طرح ہے کہ شروع میں واقفینِ فنڈ نے وقف کو مطلق وقف نہیں کیا، بلکہ ان کے نزدیک اس وقف سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جنھوں نے اس وقف کو چندہ دے کر اس کی رکنیت حاصل کی ہو"

(تکافل کی شرعی حیثیت: ص ۱۲۳)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :

’’..........وقف میں وہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس وقف سے وہ لوگ مستفید ہونگے جو کہ اس کو چندہ دے کر اس کی رکنیت حاصل کرلیں اور یہ شرط لگانا بھی درست ہے، کیونکہ وقف ایک ایسا عقدِ تبرع ہے جو اس قسم کی شرائط کو قبول کرتا ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہے، نیز شرطِ واقف کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے کیوں کہ فقہاءِ کرام نے وضاحت فرمائی ہے، بلکہ مشہور قاعدہ ہے کہ: **شرط الواقف کنص الشارع۔**

(تکافل کی شرعی حیثیت: ۱۲۴)

نیز وہ شرط الواقف کی وجہ سے لزوم کو اتنا مؤکد فرماتے ہیں کہ کلیم اور قانونی چارہ جوئی کا حق بھی دیتے ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

سوال : کمپنی اگر باوجود مطلوبہ استحقاق کے ممبر کو فائدہ (Cover) نہ دے تو کیا وہ Claim کر سکتا ہے؟

جواب : جی ہاں! کیوں کہ وہ فنڈ کے بحیثیت ممبر ہونے کے من جملہ ’’موقوف علیہم‘‘ میں داخل ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت: ص ۱۲۳)

اگر شخصِ قانونی جو ایک فردی اور حکمی شخص ہے، کے لیے التزامِ تبرع جائز ہے تو حقیقی شخص کے لیے بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا، ورنہ دلیل سے فرق بتادیا جائے۔ اذلیس فلیس

البتہ ’’عطائے مستقل‘‘ کہہ کر اس کی یہ حقیقت بیان کرنا کہ اس کا چندہ سے کوئی تعلق نہیں دفع الوقتی اور قواعدِ فقہیہ کے سراسر خلاف ہے۔

قاعدہ ’’**العبرۃ فی العقود للمعانی**‘‘ کا مطلب یہی ہے کہ ایسے معاملات بھی دنیا میں ہوں گے، جن کے ظاہر والفاظ الگ ہونگے اور حقیقت الگ ہوگی، الفاظ سے الگ بات سمجھی جائے گی، جیسے یہاں......عطائے مستقل......اور......صدقہ و چندہ...... کے ’’الفاظ‘‘ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ الگ ہے کہ دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور ان کی ’’حقیقت‘‘ سے

جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ الگ ہے کہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و مشروط ہیں......یعنی ہر ایک دوسرے کے لیے شرط ہے چنانچہ اگر "صدقہ" نہیں تو "عطائے مستقل" کا استحقاق بھی نہیں اور جہاں "عطائے مستقل" نہیں وہاں دوسری جانب سے "صدقہ" بھی نہیں۔

اور ایسی صورتوں کے لیے "**العبرة فی العقود للمعانی**" کا قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ان صورتوں میں فیصلہ "حقیقت" پر ہوگا، یعنی حقیقت کے پیشِ نظر جو معاملہ بنتا ہے اسی کے سارے احکام جاری ہوں گے، جس کو خود بعض مجوزین حضرات نے "ہبہ بشرط العوض" اور "التزامِ تبرع من الجانبین" کی صورتوں میں "حقیقت" کے پیشِ نظر ان کو عقدِ معاوضہ میں داخل کر کے عدمِ جواز کا حکم لگایا ہے، لہٰذا یہاں بھی حقیقت کے پیشِ نظر حکم لگایا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ یہ عقدِ معاوضہ میں داخل اور بحکم بیع ہے اور غرر، ربا اور قمار کی وجہ سے انشورنس اور بیمہ کی طرح ناجائز اور حرام ہے۔

تنبیہ ۲ : باقی مجوز صاحب کا یہ کہنا کہ "اس قسم کی شرائط وقف میں جائز ہیں" درست ہے......یا......نہیں؟ مستحقین پر چندے کے مؤنۃ کی شرط لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور آج تک......ایسا وقف......جس کا غلہ اور آمدنی خود مستحقین سے لیا جائے پھر اس آمدنی میں سے کچھ ان پر خرچ کیا جائے اور باقی حق الخدمت وغیرہ حیلوں سے اپنی جیبوں میں ڈالی جائے......کسی نے دیکھا ہے......یا......نہیں؟ ان سب باتوں کا تفصیلی جواب اسی رسالہ میں "وجہ نمبر۱۰ : وقف کے غلہ اور آمدنی میں چندہ کو شامل کرنا" میں ملاحظہ ہو۔

وجہ نمبر ۱۵: مالکان کمپنی اور شخص قانونی میں فرق بلا دلیل ہے :

حضرات مجوزین فرماتے ہیں کہ وقف حوض شخصِ قانونی ہے اور یہ شخصِ قانونی مالک بھی بنتا ہے اور مملک بھی۔ مولانا عصمت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> یہ مقاصد اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ اس پول کا ایک معنوی اور قانونی وجود ہو، جس کو "شخصِ قانونی" کہتے ہیں یہ ایسا شخص ہو جو مالک بھی بنتا ہو اور

مالک بناتا بھی ہو (چنانچہ جو تکافلات محض تبرعات پر مبنی ہیں ان کا کوئی مستقل قانونی وجود نہیں) اور وہ اساس اور بنیاد صرف ''وقف'' ہے لہٰذا پول وقف پر مبنی ہونا چاہیے، کیونکہ وقف ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا الگ وجود شریعت بھی مانتی ہے اور قانون بھی مانتا ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۹،۹۰)

جب اس شخص قانونی کو شخصِ حقیقی کے اوصاف کے ساتھ متصف کیا گیا تو اب دونوں میں فرق بتاتے ہوئے یہ کہنا کہ شخص حقیقی کی ملک میں چندہ آئے گا تو عقد معاوضہ بنے گا اور شخص قانونی کی ملک میں آئے گا تو عقد معاوضہ نہ بنے گا، بلا دلیل ہے۔ اگر مجوزین کے پاس اس فرق کی کوئی دلیل ہو تو بیان فرمائیں۔ لہٰذا مولانا عصمت اللہ صاحب کا ''تکافل اور انشورنس'' میں فرق بتاتے ہوئے یہ تحریر فرمانا کہ:

''عقدِ معاوضہ اس وقت ہوتا جب چندہ کمپنی مالکان کو دیا جاتا، کمپنی مالکان اس چندے کے مالک بنتے اور پھر کمپنی مالکان نقصان کی تلافی کرتے۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۴۸)

بے جا اور بلا دلیل ہے کیونکہ جب شخصِ قانونی کو شخصِ حقیقی کی صفات کے ساتھ متصف مانا گیا تو مالکانِ کمپنی اور وقف فنڈ یعنی شخصِ قانونی میں فرق کرنا چہ معنی دارد؟؟

وجہ نمبر ۱۵ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ جب شخص حقیقی کے ساتھ چندہ کی لین دین کا معاملہ عقدِ معاوضہ ہے اور سود، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز ہے تو شخصِ قانونی کے ساتھ بھی عقدِ معاوضہ اور سود، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز ہے۔ دونوں میں فرق بلا دلیل ہے۔

وجہ نمبر ۱۶: تکافل کمپنی اور انشورنس کمپنی میں فرق بلادلیل ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک ہے:

مولانا عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''(۳) تکافل میں دی جانے والی رقم فنڈ کی ملکیت میں جاتی ہے، کمپنی

اس کی مالک نہیں ہوتی جبکہ انشورنس میں اس رقم کی مالک کمپنی ہوتی ہے......

......(۶) تکافل میں کمپنی کی حیثیت وکیل کی ہے جبکہ انشورنس میں کمپنی اصیل اور مالک ہے۔(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۰۶)

مولانا کی یہ تحریر اور فرق بھی دو وجہ سے باطل اور بلا دلیل ہے:

(۱) جس طرح فنڈ شخصِ قانونی ہے اس طرح کمپنی بھی شخصِ قانونی ہے اور جس طرح انشورنس کمپنی رقم کی مالک ہوتی ہے اسی طرح وقف فنڈ کا شخصِ قانونی بھی رقم کا مالک ہوتا ہے۔تو جب انشورنس کمپنی کا شخصِ قانونی ملکیت کی وجہ سے ناجائز اور انشورنس بن گیا تو وقف فنڈ کا شخصِ قانونی ملکیت کی وجہ سے ناجائز اور انشورنس کیوں نہیں بنا؟

دونوں کے شخصِ قانونی میں کیا فرق ہے؟ دلیل سے واضح کیجیے۔

(۲) یہ کہنا کہ تکافل میں کمپنی کی حیثیت وکیل کی ہے اور انشورنس میں کمپنی اصیل اور مالک ہے، بھی حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ جس طرح تکافل کمپنی کا شخصِ قانونی وقف فنڈ کے شخصِ قانونی کا وکیل ہے اسی طرح انشورنس کمپنی کا شخصِ قانونی مالکانِ کمپنی کا وکیل ہے تو دونوں کمپنیوں کی حیثیت وکالت کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تکافل کمپنی کا شخصِ قانونی خود بھی بے جان ہے اور جس کا وکیل ہے وہ بھی بے جان ہے جبکہ انشورنس کمپنی کا شخصِ قانونی اگرچہ خود بے جان ہے لیکن جس کا وکیل ہے وہ جاندار ہے، لیکن اس فرق سے حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ مجوزین حضرات بے جان شخصِ قانونی کے لیے بھی شخصِ حقیقی کے اوصاف ثابت کر کے اس کو حقیقی شخص کی طرح مانتے ہیں۔اگر کوئی فرق کا مدعی ہے تو دلیل پیش کرے۔

رہی یہ بات کہ تکافل کمپنی یا انشورنس کمپنی یا ہر کمپنی شخصِ قانونی ہے یا نہیں؟ تو اس کی اس حیثیت کو خود حضرات مجوزین نے بیان کیا ہے، چنانچہ صاحبزادہ مولانا عمران اشرف عثمانی صاحب شرکت اور کمپنی میں فرق کے عنوان کے تحت ایک جگہ لکھتے ہیں:

کمپنی خود ایک شخص قانونی ہے، اس کا الگ وجود ہے، اور حصہ داران کا الگ وجود ہے۔(شرکت ومضاربت عصر حاضر میں:۳۱۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

کمپنی کا الگ سے قانونی وجود ہوتا ہے، جس کو شخص قانونی کہا جاتا ہے۔

(حوالہ بالا: ۳۱۲)

وجہ نمبر ۱۶ کا حاصل: اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے تکافل اور انشورنس میں جو فرق بیان فرمایا ہے وہ حقیقت کے خلاف اور بلا دلیل ہے، لہٰذا تکافل کمپنی کا حکم بھی انشورنس کمپنی کی طرح ہے اور دونوں سود، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

وجہ نمبر ۱۷: قاعدہ ''الامور بمقاصدها'' کی مخالفت:

فقہ کا قاعدہ ہے کہ ''تبرعات واحسانات کا اصل مدار مقاصد پر ہوتا ہے، ظاہری الفاظ پر نہیں ہوتا''، لہٰذا جہاں ظاہری الفاظ اور مقاصد میں اختلاف ہوگا وہاں الفاظ غیر مؤثر ہوں گے یعنی الفاظ کا مقتضیٰ ثابت نہ ہوگا، اور مقاصد موثر ہوں گے اور اس کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

یہی بات ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں بھی تحریر فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ: تبرع اور احسان کے طور پر ''اعطاء'' اور ''دینے'' کی دلالت ''ملک'' پر (ملک کے لیے اس کا سبب بننا) ضعیف ہے، لہٰذا اگر اس اعطاء کے ساتھ اس کے ظاہر کے خلاف کوئی قصد مقترن اور جمع ہو گیا تو پھر اس قصد کا اثر ہوگا اور ''اعطاء'' غیر مؤثر اور غیر معتبر ہوگا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اسبابِ ملک دو ہیں:

(۱) تبرع واعطاء۔ (۲) عقد۔

ان میں سے عقد سببِ قوی ہے، جبکہ تبرع اور اعطاء سببِ ضعیف ہے۔ لہٰذا اگر سببِ قوی یعنی عقد کے ساتھ کوئی اور قصد مل جائے (جو عقد کے ظاہر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) تو اس قصد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، معتبر عقد ہی ہوگا اور اسی کے مطابق حکم ثابت ہوگا، جیسے وہ عقد جو سود سے بچنے کے لئے بطور حیلہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس عقد میں جانبین کا مقصد عقد نہیں بلکہ ایک فریق کا مقصد نقد رقم کا حصول اور دوسرے کا اس پر زیادتی لینا ہے، اور یہ سودی معاملہ ہے، لہٰذا

سود سے بچنے کے لئے بطور حیلہ عقد کیا جاتا ہے، تو یہاں اگرچہ عقد اور قصد میں اختلاف ہے، عقد کا تقاضہ جواز کا اور قصد کا عدمِ جواز کا ہے، لیکن چونکہ عقد سببِ قوی ہے لہٰذا قصد کے خلاف کی وجہ سے یہ غیر معتبر نہ ہوگا۔

جبکہ تبرع اور اعطاء ملک کے لئے سببِ ضعیف ہے، لہٰذا اس کے خلاف اگر قصد آجائے تو یہ سبب غیر مؤثر ہو کر اس کا مقتضٰی اور مسبب جو کہ ملک ہے ثابت نہ ہوگا۔

قال المنلا علی القاری رحمه الله تعالیٰ : .... ففی کل هذه الصور و ما اشبهها لا یملک الآخذُ لقوله ﷺ: هدایا العمال غلول، ولضعف دلالة الإعطاء علی الملک أثّر القصدُ المُخرِجُ له عن مقتضاه بخلاف العقد فإنه دال قویّ علی الملک فلم یؤثر فیه قصد قارنه علی أن القصد ههنا صالح و هو التخلص عن الربا. (مرقاة المفاتیح ۲۳۸/۴، ط: رشیدیة)

تبرع اور اعطاء کے غیر مؤثر ہونے کی بعض امثلہ:

(۱) امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر کسی صاحبِ ثروت سے لوگوں کے سامنے مجمع میں سوال کیا گیا اور اس نے حیاء اور شرم کی وجہ سے دیا، اگر تنہائی میں سوال کیا جاتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اس صورت میں اس قاعدہ کے پیشِ نظر ''لفظ اور عملِ اعطاء'' غیر معتبر ہوگا اور ''قصد عدمِ اعطاء'' مؤثر ہوگا اور رقم بدستور اس کی ملکیت میں باقی رہے گی، لینے والا نہ مالک ہوگا اور نہ ہی اس کے لیے استعمال جائز ہوگا۔

قال المنلا علی القاری رحمه الله تعالیٰ : وقد حکی الغزالی إن من أعطی غیره شیئا ولیس الباعث علیه إلا الحیاء من الناس کان سئل بحضرتهم شیئا فأعطاه إیاه ولو کان وحده لم یعطه ، الإجماع علی حرمة أخذ مثل هذا لأنه لم یخرج عن ملکه لأنه فی الحقیقة مکره بسبب الحیاء فهو کالمکره بالسیف. (مرقاة المفاتیح ۲۳۸/۴،ط:رشیدیة)

وقال الامام الغزالی رحمه الله تعالیٰ : فإن قلت : فإذا أخذ مع العلم بأن

باعث المعطی هو الحياء منه أو من الحاضرين ولولاه لما ابتدأه به فهل هو حلال أو شبهة ؟ فأقول : ذلک حرام محض لا خلاف فيه بين الأمة وحكمه حكم أخذ مال الغير بالضرب والمصادرة إذ لا فرق بين أن يضرب ظاهر جلده بسياط الخشب أو يضرب باطن قلبه بسوط الحياء وخوف الملام وضرب الباطن أشد نكاية في قلوب العقلاء.

(احياء العلوم، ۴/۲۸۳، ۲۸۴، ط:رشیدیه)

(۲) کسی نے اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر دوسرے کو کچھ دیا تا کہ نہ دینے کی صورت میں مجھ پر تبصرے نہ کرے اور دوسروں کے سامنے مجھے بدنام نہ کرے۔

اس صورت میں یہ لفظ وعملِ اعطاء‘‘اور’’دینا’’ بھی معتبر نہیں، بلکہ اس کے مقابلے میں اس کا’’قصد’’ جو نہ دینے کا ہے، معتبر اور موثر ہوگا۔ اور مال بدستور اس کی ملکیت میں باقی رہے گا، لینے والا اس اعطاء سے مالک نہ بنے گا۔

(۳) کسی کو حاکم یا عامل وقاضی یا امیر کے بارے میں یہ بات معلوم ہو کہ جب تک کچھ دوں گا نہیں، نہ تو یہ حق کا فیصلہ کریں گے اور نہ ہی مجھ سے حق اور سچ کو قبول کریں گے، پھر کچھ ’’ہدیہ اور تحفہ’’ کے نام پر دیا تو اس اعطاء اور دینے سے نہ تو مال دینے والے کی ملکیت سے نکلے گا اور نہ ہی لینے والا مالک بنے گا، بلکہ دینے والے کا ’’قصد’’ جو نہ دینے کا تھا، موثر ہو کر اس مال کا دینے والا بدستور مالک رہے گا۔

قال المنلا علی القاری رحمه الله تعالىٰ : و قال غيره من أعطى غيره شيئا مداراة عن عرضه حكمه كذلک، و كذا من أعطى حاكما أو ساعيا أو أميرا شيئا علم المعطى من حاله أنه لا يحكم له بالحق أو لا يأخذ منه الحق إلا أن أخذ شيئا ففي كل هذه الصور و ما أشبهها لا يملک الآخذ لقوله ﷺ: هدايا العمال غلول، ولضعف دلالة الإعطاء على الملک أثّر القصدُ المُخرِجُ له عن مقتضاه بخلاف العقد، فإنه دال قوى على الملک فلم يؤثر فيه قصد قارئه على أن القصد ههنا صالح و هو التخلص عن الربا و في تلک الصور

فاسد و هو أخذ مال الغير بغير حق.

(مرقاة المفاتيح ۲۳۸/۴، ط: رشيدية)

(۴) شادی بیاہ کے موقع پر جو ہدایا کا لین دین کیا جاتا ہے، جسے عرف میں ''نیوتہ'' کہتے ہیں، اس کا لین دین بھی ظاہری الفاظ میں اگرچہ ہدیہ اور تحفہ کے نام سے ہوتا ہے، لیکن دینے والے کا قصد قرض کا ہوتا ہے کہ کل کو مجھے اس کے بدلے میں یہ رقم واپس ملے گی، اسی طرح لینے والا بھی قرض کے قصد سے لیتا ہے کہ کل کو مجھے یہ واپس دینا ہوگا۔

حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحۃً اس صورت میں الفاظ کو غیر مؤثر اور غیر معتبر قرار دے کر قصد کے مطابق فیصلہ اور حکم دیا ہے کہ یہ قرض ہے جس کا دینا لازم ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: و في الفتاوى الخيرية: سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الاعراس و نحوها، هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا؟ أجاب: إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله، و إن قيميا فبقيمته، و إن كان العرف خلاف ذلک بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة، و لا ينظرون في ذلک إلى إعطاء البدل، فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه، فلا رجوع فيه بعد الهلاک أو الاستهلاک، و الأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا اهـ، قلت: و العرف في بلادنا مشترک، نعم! في بعض القرى يعدونه قرضا حتى إنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدى، فإذا جعل المهدى وليمة يراجع المهدى الدفتر فيهدى الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه. (الشامية ، كتاب الهبة ۶۹۶/۵، ط: سعيد)

(۵) بائع کا اپنی اشیاء کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کی غرض سے سبحان اللہ، ماشاء اللہ جیسے الفاظ کہنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو دنیاوی قصد کی وجہ سے ثواب نہیں ملے گا۔

تکافل میں بھی اسی طرح الفاظ اور قصد کا اختلاف ہے کہ الفاظ تو چندہ اور تبرع کے ہیں،

لیکن قصد اس کے خلاف ہے کہ بدلے میں مجھے تلافی کی صورت میں زیادہ ملے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر تلافی کی رقم نہ ملے تو ایک روپیہ بھی چندہ نہیں دے گا۔

جیسے کہ خود مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

''جب کوئی شخص پریمیم جمع کراتا ہے تو اس نیت سے کراتا ہے کہ بوقتِ نقصان زیادہ ملے گا اور اس زیادت کے لیے وہ کمپنی کو مجبور بھی کرسکتا ہے......''

(تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۴۰)

لہٰذا مذکورہ بالا قاعدے کے پیشِ نظر الفاظ کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسے لوگوں کے سامنے مجمع میں اعطاء یعنی چندہ دینے کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اس کا قصد مؤثر ہوگا کہ چندہ اس غرض سے دے رہا ہے کہ اس چندہ کی وجہ سے مجھے کل کو زیادہ رقم ملے گی۔

الحاصل ! تکافل کمپنی اور ''وقف فنڈ'' کے ساتھ پالیسی ہولڈرز کا معاملہ فی سبیل اللہ چندہ کا نہیں، بلکہ قرض کا ہے، لہٰذا اہلِ تکافل کے لئے مفت میں یعنی بلا ضمان کھانا حرام ہے، اور اس ممبر کو واپس کرنا، اور اس کے موت کی صورت میں اس کے ورثہ کو دینا لازم ہے۔ اسی طرح چندہ دینے والے کے لئے چندہ کی رقم سے زیادہ لینا **کل قرض جر منفعة فهو ربا** میں داخل اور سود ہے۔ اہلِ تکافل پر واجب ہے کہ اس تکافل کے دھندے کو ختم کریں تا کہ سودی قرض لینے اور دینے کے گناہ سے بھی محفوظ رہیں اور حرام کھانے اور کھلانے کے گناہ سے بھی محفوظ رہیں۔

وجہ نمبر ۱۷ کا حاصل : اس کا حاصل یہ ہے کہ اس چندہ اور اعطاء سے نہ تو چندہ کی رقم چندہ دینے والے کی ملک سے خارج ہوئی ہے اور نہ ہی وقف فنڈ اس کا مالک ہوا ہے، بلکہ بدستور یہ رقوم چندہ دہندگان کی ملک میں باقی ہیں، لہٰذا اہل تکافل پر واجب ہے کہ سب کو یہ رقم واپس کریں، اور کوئی مر گیا ہے تو ان کے ورثہ کو واپس کریں، اہل تکافل کے لئے ان رقوم کا استعمال ناجائز اور حرام ہے، اور بعض چندہ دہندگان کو اصل رقم سے زیادہ دینا ''**کل قرض جر منفعة فهو ربا**'' کی وجہ سے سود ہے۔

وجہ نمبر ۱۸: بلاضرورت چندہ مانگنا حرام بھی ہے اور لینے والا اس کا مالک بھی نہ ہوگا:

جو شخص اپنی ذاتی ضرورت کے لئے دوسروں سے چندہ کی بھیک مانگتا ہے، خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ، اس کے لئے یہ بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس بھیک سے حاصل ہونے والی رقم کا یہ شخص مالک ہوگا یا نہیں؟

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو ضرورتیں شرعاً معتبر ہیں اور ان کے لئے سوال کرنا جائز ہے، اگر یہ شخص واقعۃً اور حقیقت میں اس قسم کا ضرورت مند ہے، تو اس کے لئے اتنی مقدار جس سے ضرورات لاحقہ پوری ہو جائیں، مانگنا جائز ہے، اور یہ شخص اس ملی ہوئی رقم کا مالک بھی ہوگا۔ البتہ ضرورت سے زائد مانگنا جائز نہیں، اور اگر اس نے جھوٹ بول کر مانگا اور کسی نے دیا، تو یہ شخص مالک نہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص سرے سے اس قسم کا ضرورت مند ہی نہیں پھر بھی مانگتا ہے، تو اس کے لئے بھی نہ مانگنا جائز ہے اور نہ ہی ملے ہوئے مال کا یہ مالک ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ جن جن لوگوں سے یہ مال لے چکا ہے اگر وہ معلوم ہیں تو ان کو واپس کرے، اور اگر معلوم نہیں تو یہ مال مصارف لقطہ پر شریعت کے مطابق خرچ کیا جائیگا۔ اس شخص کے لئے خود استعمال کرنا یا کسی مالدار کو دینا حرام ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وسمع عمر رضی اللہ عنه سائلا یسأل بعد المغرب فقال لواحد من قومه عش الرجل فعشاه ثم سمعه ثانیا یسأل فقال ألم أقل لک عش الرجل قال قد عشیته فنظر عمر فإذا تحت یده مخلاة مملوئة خبزا فقال لست سائلا ولکنک تاجر ثم أخذ المخلاة ونثرها بین یدی إبل الصدقة وضربه بالدرة وقال لا تعد ولولا أن سؤاله کان حراما لما ضربه ولا أخذ مخلاته ولعل الفقیه الضعیف المنة الضیق الحوصلة یستبعد هذا من فعل عمر ویقول أما

ضربه فهو تأديب وقد ورد الشرع بالتعزير وأما أخذه ماله فهو مصادرة والشرع لم يرد بالعقوبة بأخذ المال فكيف استجازه وهو استبعاد مصدره القصور في الفقه فأين يظهر؟ فقه الفقهاء كلهم في حوصلة عمر بن الخطاب رضى الله عنه واطلاعه على أسرار دين الله ومصالح عباده أفترى أنه لم يعلم أن المصا درة بالمال غير جائزة أو علم ذلك ولكن أقدم عليه غضبا في معصية الله وحاشاه أو أراد الزجر بالمصلحة بغير طريق شرعها نبى الله وهيهات فإن ذلك أيضا معصية بل الفقه الذى لاح له فيه أنه رآه مستغنيا عن السؤال وعلم أن من أعطاه شيئًا فإنما أعطاه على اعتقاد أنه محتاج وقد كان كاذبا فلم يدخل في ملكه بأخذه مع التلبيس وعسر تمييز ذلك ورده إلى أصحابه إذ لا يعرف أصحابه بأعيانهم فبقي مالا لا مالك له فوجب صرفه إلى المصالح وإبل الصدقة وعلفها من المصالح ويتنزل أخذ السائل مع إظهار الحاجة كاذبا كأخذ العلوى بقوله إني علوى وهو كاذب فإنه لا يملك ما يأخذه كأخذ الصوفى الصالح الذى يعطى لصلاحه وهو فى الباطن مقارف لمعصية لو عرفها المعطى لما أعطاه وقد ذكرنا في مواضع أن ما أخذوه على هذا الوجه لا يملكونه وهو حرام عليهم ويجب عليهم الرد إلى مالكه فاستدل بفعل عمر رضى الله عنه على صحة هذا المعنى الذى يغفل عنه كثير من الفقهاء وقد قررناه في مواضع ولا تستدل بغفلتك عن هذا الفقه على بطلان فعل عمر.

فإذا عرفت أن السؤال يباح لضرورة فاعلم أن الشيء إما أن يكون مضطرا إليه أو محتاجا إليه حاجة مهمة أو حاجة خفيفة أو مستغنى عنه فهذه أربعة أحوال: أما المضطر إليه فهو سؤال الجائع عند خوفه على نفسه موتا أو مرضا وسؤال العارى وبدنه مكشوف ليس معه ما يواريه وهو مباح مهما وجدت بقية الشروط فى المسئول بكونه مباحا والمسئول منه بكونه راضيا فى الباطن وفى السائل بكونه عاجزا عن الكسب فإن القادر على الكسب

وهو بطال له السؤال إلا إذا استغرق طلب العلم أوقاته وكل من له خط فهو قادر على الكسب بالوراقة وأما المستغني فهو الذى يطلب شيئًا وعنده مثله وأمثاله فسؤاله حرام قطعا وهذان طرفان واضحان.

(احياء علوم الدين ۴/۲۸۲،ط:رشيديه)

''حضرت عمر ﷺ نے ایک سائل کو دیکھا کہ مغرب کے بعد سوال کر رہا ہے۔آپ سے کسی نے فرمادیا کہ اس کو کھانا کھلادو۔انہوں نے فوراً تعمیل کی اور کھانا کھلا دیا۔حضرت عمر ﷺ نے پھر اس کی آواز سوال کی سنی تو ان صاحب سے مطالبہ کیا کہ میں نے تم کو اس کو کھانا کھلانے کو کہا تھا۔انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کھلا دیا۔حضرت عمر ﷺ نے اس سائل کی طرف دیکھا تو اس کی بغل میں ایک جھولی پڑی ہوئی تھی جس میں بہت سی روٹیاں تھیں،حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ تو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے یعنی فقیر نہیں بلکہ تجارت کے لیے سوال کرتا ہے تاکہ ان روٹیوں کو جمع کر کے فروخت کرے اس کے بعد اس کی جھولی چھین کر صدقہ کے اونٹوں کے سامنے الٹ دی اور اس کے درّہ مار کر کہا: پھر کبھی ایسا نہ کیجیے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر سوال حرام نہ ہوتا تو حضرت عمر ﷺ نہ تو اس کو مارتے اور نہ اس کی روٹیاں چھینتے۔

بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ کا مارنا تو تنبیہ اور تادیب ہوسکتی ہے لیکن اس کے مال کا چھیننا ظلم ہے۔شریعت نے کسی کا مال چھین لینے کی سزا نہیں بتائی، لیکن یہ اعتراض حقیقت کی ناواقفیت سے پیدا ہوا۔بھلا حضرت عمر ﷺ کی فقاہت تک دوسروں کی رسائی کہاں ہوسکتی ہے؟ کیا حضرت عمر ﷺ کے متعلق یہ گمان ہوسکتا ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ دوسرے کا مال لینا جائز نہیں یا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے

ان کو فعلِ حرام پر یعنی سوال پر غصہ آ گیا اور نعوذ باللہ غصہ میں ایسا کر گئے، یا سوال سے آئندہ روکنے کی مصلحت کی وجہ سے ایسا طریق اختیار کیا جو نا جائز تھا، اگر ایسا تھا تو یہ فعل خود نا جائز تھا بلکہ بات یہ تھی کہ جب اس نے بے ضرورت سوال کیا اور دینے والوں نے اس کو فقیر اور محتاج سمجھ کر دیا تو یہ دھوکہ سے حاصل کرنے کی وجہ سے اس کی مِلک میں نہ آیا تھا اور روٹیوں میں تمیز کرنا اور اصل مالکوں تک ان کا دیا ہوا ٹکڑا پہنچانا اب دشوار تھا تو یہ بمنزلہ ''لقطہ'' کے ہوا جس کے مالک کا پتہ نہیں، اس لیے اس کو مصارفِ لقطہ پر صرف کرنا ضروری تھا اور صدقہ کے اونٹ اور ان کا چارہ منجملہ مصارف اور مصالح عامّہ میں سے ہے ہے، اس لیے صدقہ کے اونٹوں کو کھلایا۔ اور وہ شخص جو جھوٹ بول کر اپنے آپ کو حاجت مند ظاہر کرے اس شخص کی طرح ہے جو علَوی نہ ہو اور اپنے آپ کو علوی ظاہر کرے، پس یہ مالک نہیں ہوگا جیسے کوئی گنہگار شخص اپنے کو صوفی ظاہر کر کے صدقات لے لے، اگر دینے والے کو اس کا حال معلوم ہو جائے تو کبھی بھی نہ دے، ایسے شخص کو لینا جائز نہیں، اس کو ضروری ہے کہ مالک کو واپس کر دے۔ اور ہم نے متعدد مواقع پر یہ بات لکھی ہے کہ ان (مانگنے والوں وغیرہ) نے اس وجہ (جھوٹ) پر دوسروں کا مال لیا جس کی وجہ سے وہ مالک نہیں ہوئے اور وہ ان پر حرام ہے اور ان پر واجب ہے کہ مالک کو لوٹائیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے اس پر استدلال کیا گیا ہے جبکہ بہت سارے فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس نکتے سے ناواقف ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو متعدد مواضع پر ثابت کیا ہے پس اے مخاطب! آپ اس نکتے سے اپنی غفلت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے بطلان پر استدلال نہ کیجیے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تفصیلی واقعہ اور تفریع کے بعد جو ضرورت کے درجات بیان

فرمائے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا خلاصہ یوں تحریر فرمایا ہے:

''جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ سوال صرف ضرورت میں جائز ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ضرورت کے چار درجے ہیں: اول درجہ ''اضطرار'' کا ہے۔ دوسرا ''سخت حاجت'' کا لیکن ''اضطرار'' کی حد سے کم۔ تیسرا ''معمولی حاجت'' کا۔ چوتھا ''عدمِ حاجت'' کا۔

پہلا درجہ، مثلاً کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو بھوک کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے ہلاکت کا اور مرجانے کا اندیشہ ہے یا ایسا ننگا ہے کہ اس کے پاس کوئی کپڑا بدن چھپانے کو نہیں ہے تو ایسے شخص کو سوال کرنا جائز ہے بشرطیکہ جواز کی باقی شرطیں پائی جاتی ہوں، اور وہ یہ ہیں کہ :

الف :جو چیز مانگے وہ چیز جائز ہو۔

ب : جس سے مانگے وہ طیب خاطر سے راضی ہو۔

ج :مانگنے والا کمانے سے عاجز ہو۔ اگر وہ کمانے پر قادر ہے تو وہ لغو آدمی ہے جو بجائے کمانے کے سوال کرتا ہے، البتہ اگر کوئی طالب علم ہو جو اپنے اوقات کو طلبِ علم میں مشغول رکھتا ہو تو اس کو مضائقہ نہیں کہ سوال کرلے۔

اور چوتھا درجہ اس کے بالمقابل کوئی شخص ایسی چیز کا سوال کرے جو چیز اس کے پاس موجود ہے مثلاً کپڑے کا سوال کرے اور بقدرِ ضرورت کپڑا اس کے پاس موجود ہے تو اس شخص کو سوال حرام ہے ۔ یہ دو درجے تو مقابل ہوئے۔ (فضائل صدقات: ص ۴۳۵)

تکافل میں شخص قانونی لوگوں سے جو چندہ اپنے لئے بالواسطہ یا بلا واسطہ مانگتا ہے چونکہ اس کو کوئی ایسی ضرورت درپیش نہیں ہے جو شرعاً معتبر ہو اور اس کی بناء پر اس کے لئے چندہ کی بھیک جائز ہو، بلکہ وہ تو کسی بھی چیز کی طرف محتاج اور ضرورت مند نہیں کیونکہ نہ تو شخصِ قانونی کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ کپڑے پہنتا ہے اور نہ مرتا اور جیتا ہے۔

لہٰذا نہ تو خود اس شخص قانونی کے لئے اور نہ ہی اس کے وکلاء (آپریٹرز) کے لئے چندہ کی بھیک مانگنا جائز ہوگا اور نہ ہی مانگی ہوئی بھیک کا مالک ہوگا۔ لہٰذا ان پر واجب ہے کہ اصل مالک اگر زندہ ہیں تو ان کو واپس کریں ورنہ ان کے ورثہ کو۔

لہٰذا خود شخص قانونی، اس کے وکلاء (آپریٹرز) اور اغنیاء کے لئے استعمال کرنا حرام ہے۔

وجہ نمبر ۱۸ کا حاصل : اس وجہ کا حاصل بھی وجہ نمبر ۱۵ کی طرح ہے کیونکہ جب شخص قانونی ناجائز بھیک کی وجہ سے چندہ کا مالک نہ ہوا تو چندہ بدستور چندہ دینے والوں کی ملک میں باقی رہا، اس لئے کہ مسلمہ اصل اور ضابطہ یعنی ''خروج الشیء عن الملک بدون الدخول فی ملک آخر'' کے پیش نظر جب یہ چندہ شخص قانونی کی ملک میں داخل ہی نہیں ہوا تو دینے والوں کی ملک میں باقی رہا، اور شخص قانونی اور اس کے وکلاء پر واجب ہے کہ اگر ملاک زندہ ہیں تو ان کو ورنہ ان کے ورثہ کے حوالہ کریں۔ شخص قانونی اور اس کے وکلاء کے لئے اس بھیک کا استعمال کرنا اور اغنیاء کو دینا حرام ہے، نیز مقدارِ چندہ سے کسی کو زیادہ دینا ''ربا'' اور ''سود'' بھی ہے۔

﴿تکافل کے جواز پر دلائل اور ان کے جوابات﴾

بطور تمہید یہ بات ذہن نشین رہے کہ مجوزین تکافل نے جو دلائل اور نظائر تکافل کے ثبوت پر قرآن وحدیث سے پیش کیے ہیں، نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی حیثیت میلاد اور گیارہویں وغیرہ کے ثبوت میں پیش کیئے گئے دلائل سے کم نہیں، کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں کسی بھی عنوان سے رسول اکرم ﷺ کا نام مبارک آیا تو شور مچ جاتا ہے کہ لو جی! میلاد قرآن میں موجود ہے، کہیں احادیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی صفات عالیہ بیان فرمائیں تو فوراً میلاد احادیث سے ثابت ہو جاتا ہے۔ ایک مبتدع اور بدعتی مولانا صاحب اپنی تقریر میں آیت ﴿انی رأیت أحد عشر کوکبا﴾ پڑھ کر کہہ رہے تھے: جی! اگر گیارہویں ثابت نہیں تو گیارہ ستارے کیوں دیکھے، اب بھی وہابی گیارہویں نہیں مانتا!

ایسے ہی حضرات مجوزین تکافل کا حال ہے کہ کہیں بھی قرآن وحدیث میں تعاون، تناصر اور باہمی خیر خواہی کا لفظ آ گیا، خوشی خوشی کہنے اور لکھنے لگ جاتے ہیں کہ تکافل کا ثبوت اور اس

کے نظائر قرآن وحدیث میں بھی ہیں۔ فوا أسفا

بات تو جب بنے گی کہ پہلے مروجہ تکافل کا مکمل ڈھانچہ آپ دلائل شرعیہ یعنی قرآن و حدیث، اجماع وقیاس شرعی سے ثابت کریں، پھر نظائر سے اس پر روشنی ڈالتے رہیں۔

اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے دوسرے طبقے کے دلائل کو رد کرتے ہوئے یہی فرمایا کہ جھگڑا نفسِ میلاد اور صدقہ کا نہیں، بلکہ مروجہ میلاد اور گیارہویں وغیرہ کی صورت میں صدقہ جو مختلف شرائط اور قیود واضافات کا پابند ہے، یہ قرآن وحدیث سے دکھائیں، یہ کہاں ہے؟

تکافل میں بھی مسئلہ نفسِ تعاون وتناصر کا نہیں، بلکہ تکافل کے نام سے جس تعاون وتناصر کو مختلف شرائط اور پابندیوں کی زنجیر سے جکڑ دیا گیا ہے، اس میں ہے، اس کا دلائل شرعیہ سے ثبوت پیش کریں۔ صرف تعاون وتناصر کا لفظ دیکھ کر یہ کہنا کہ ''یہ ہماری عمارتِ تکافل کی اینٹ اور بنیاد ہے'' کیونکر درست اور مناسب ہوسکتا ہے؟

دلیل نمبر (۱): ﴿وتعاونوا علی البر و التقوی﴾ [المائدۃ : ۲]

............تکافل کا نظام اسی تصور پر مبنی ہے کہ اس میں ایک دوسرے کے ساتھ تبرع کیا جاتا ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت: ۴۳،۴۷)

جواب: اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اپنا ذاتی مال یا اپنی جان اور خیر خواہانہ اقوال کے ذریعے ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، نہ کہ زبردستی چندہ کے نام سے دوسروں سے مال لے کر اس کا زیادہ حصہ خود ہڑپ کرو، اور تھوڑا سا کسی مصیبت زدہ پر خرچ کرو (اور مصیبت زدہ بھی مال دار اور غنی ہو)۔ بعض چور اور ڈاکو اور بھتہ خور بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم دوسروں کی معاونت کرتے ہیں۔

الحاصل اس آیت میں تو نفس تعاون کا ذکر ہے، نہ کہ شرائط و قیودات میں جکڑے ہوئے تکافل کا۔ ورنہ مجوزین حضرات بتائیں کہ اس آیت میں مندرجہ ذیل امور پر مشتمل تکافل کا ذکر کہاں ہے؟

(الف) تعاون کے لیے شخص قانونی بنانا ضروری ہے، جب تک یہ نہیں بنے گا تعاون نہیں ہوگا۔

(ب) شخص قانونی کو چندہ دینا ضروری ہے۔

(ج) چندہ بھی شخص قانونی کی شرائط کے مطابق ضروری ہے۔

(د) شخص قانونی کی منشاء کے مطابق چندہ دینے والے کے ساتھ تعاون کرنے میں بھی شخص قانونی آزاد نہیں کہ جب چاہے تعاون کرے۔

(ھ) ہر مصیبت میں بھی شخص قانونی سے معاونت طلب نہیں کر سکتے بلکہ بعض خاص مصیبتوں میں تعاون کریگا۔

(و) خاص مصیبت میں بھی استطاعت کے باوجود محدود یعنی پالیسی کے مطابق تعاون کریگا، اس سے زیادہ نہیں۔

(ز) شخص قانونی کی معاونت حاصل کرنے کی غرض سے چندہ کے نام سے جنہوں نے شخص قانونی کے ساتھ تعاون کیا ہے، لیکن آدھا، کسی وجہ سے مزید آدھا ادا نہ کر سکا، اب شخص قانونی اس کو اپنے مصارف اور معاونت کے محامل سے خارج کردے گا، اور اس کے ساتھ کچھ بھی تعاون نہیں کرے گا۔

یہ تمام باتیں اور شرائط اس آیت کریمہ میں کہاں ہیں؟ آیت میں تو تبرع ہے کہ اپنے ذاتی مال سے دوسرے کی معاونت کی جائے، جبکہ تکافل میں شرائط اور اصول اور دعوت اس پر واضح قرائن ہیں کہ یہ محض تبرع نہیں، بلکہ یہ پیسوں کا لین دین اور عقدِ معاوضہ ہے۔

بالفرض اگر اس کو چندہ دینے والوں کی طرف سے تبرع اور صدقہ بھی کہا جائے تو یہ تبرع اور صدقہ کسی جاندار، ذی روح مسکین اور فقیر پر نہیں، بلکہ بے جان شخص قانونی اور اس کے مالدار واقفین اور جواز کے حیلے ڈھونڈنے والے معاونین پر ہے۔ جس کے متعلق خود مولانا عصمت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''.........لہٰذا اس کو عقدِ معاوضہ کہنا درست نہیں، عقدِ معاوضہ اس وقت ہوتا کہ چندہ کمپنی مالکان کو دیا جاتا کمپنی مالکان اس چندے کے مالک بنتے اور پھر کمپنی مالکان نقصان کی تلافی کرتے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۴۸)

شاید پالیسی خریدنے والوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ ملے جو یہ کہے کہ میں یہ رقم دوسرے مصیبت زدہ بھائیوں کی معاونت کے لئے دے رہا ہوں۔

دلیل نمبر (۲): [انما المؤمنون اخوة] (الحجرات: ۱۰)

ترجمہ: ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''

اس باہمی بھائی چارے کا تقاضہ یہی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، اور ایک دوسرے کے لئے سہارا بن جائیں، اور مصیبت میں کام آئیں، جیسا کہ بھائی آپس میں کرتے ہیں۔

(تکافل کی شرعی حیثیت: ۷۴)

جواب: اس آیت کریمہ کا مطلب بھی واضح ہے کہ مؤمن آپس میں بھائی ہیں، بدنی اور مالی اعتبار سے اپنے ذاتی مال اور جان سے اپنے ذی روح مؤمن بھائی کی معاونت کرنا ان کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے، جبکہ موجودہ تکافل میں چندہ دہندگان ایک غیر ذی روح شخص قانونی کی معاونت کرتے ہیں اور یہ معاونت بھی غیر مشروط ہوتی ہے، نہ تو بوقت تعاون شخص قانونی کے سر میں درد ہوتا ہے نہ پاؤں میں۔ جبکہ چندہ دے کر احسان کرنے والے بھائیوں کے ساتھ شخص قانونی کئی شرطیں لگا کر محدود تعاون غیر یقینی بنیادوں پر کرتا ہے۔

بہر حال اس آیت میں بھی نفس تعاون وتناصر کا ذکر ہے، جو باہمی اخوت اور بھائی چارگی کے تحت مسلمان آپس میں کرتے ہیں، تکافل کی صورت میں مجوزہ تعاون وتناصر کا اس میں ذکر نہیں، ورنہ وہ تمام شرائط اور تفصیلات جو آیت نمبر (۱) کے جواب کے تحت گزری ہیں، اس آیت کریمہ کے کس لفظ سے ثابت ہیں؟

دلیل نمبر (۳): " قال رسول الله ﷺ : مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر و الحمی"

(الصحیح لمسلم: ۴۶۷۵)

ترجمہ: ''تمام مسلمانوں کی مثال ہمدردی، محبت، تعاون وتناصر میں ایک جسم کی مانند ہے، چنانچہ اگر جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہو تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا رہتا ہے''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت: ۷۴)

جواب: اس حدیث میں مروج تکافل کا ڈھانچہ اور شرائط کہاں ہیں؟ اس میں یہ کہاں ہے کہ جو مسلمان آپ کے لئے رویا ہو، آپ اسی کے لئے روئیں؟ جبکہ تکافل میں جب تک چندہ دے کر آپ روئیں گے نہیں تو کسی طور بھی آپ کے آنسو نہیں پونچھے جائیں گے، اور نہ ہی آپ بغیر چندہ دیے مؤمن بھائی ہو کر تکافلی بھائیوں کے جسم کا حصہ ہوں گے۔

کیا حدیث میں یہ ہے کہ فلاں کے دانت میں درد ہوگا تو باقی جسم کو تکلیف ہوگی اور وہ ساتھ دے گا، اگر آنکھ میں ہوگی تو نہ ساتھ دے گا اور نہ ہی اس کو تکلیف ہوگی؟

اسی طرح یہ بھی نہیں کہ مثلاً آنکھ کی سو بیماریوں میں سے ایک دو میں تو جسم کو تکلیف بھی ہوگی اور جسم ساتھ بھی دے گا، اور باقی بیماریوں میں جسم خوشیاں منائے گا اور ایک ٹکے کا بھی ساتھ نہیں دے گا۔

اگر حدیث میں ایسا نہیں، اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے، تو پھر تو تکافل حدیث کے خلاف ہوا، اس لیے کہ تکافل کا پہلے سے اعلان ہے کہ ہم ہر ایک کی مصیبت اور نقصان میں ساتھ دینے والے نہیں، بلکہ جو چندہ دے گا صرف وہ ہمارے بھائی ہیں اور انہی کی مصیبت اور نقصان میں ہم ساتھ دیں گے۔

اسی طرح تکافل کا یہ بھی اعلان ہے کہ ہم ہر مصیبت اور ہر نقصان میں ساتھ دینے والے نہیں، ہم تمہارے وہ جسم اور بھائی نہیں کہ مثلاً آنکھ کی ہر تکلیف اور مصیبت میں ساتھ دیں، بلکہ صرف بعض میں ساتھ دیں گے، جیسے مثلاً گاڑی کا نقصان ہوا تو ساتھ دیں گے، گھر کا ہوا تو ساتھ نہ دیں گے، اور وہ ساتھ بھی محدود نہ کہ پورا پورا۔ اگرچہ فی نفسہ مکمل تعاون کی استطاعت بھی رکھتے ہوں۔

نیز حدیث میں یہ بھی نہیں کہ جس بھائی اور جسم کے عضو نے کبھی بھی دوسرے کے لیے

مشقت اور تکلیف اٹھائی ہوگی تو اس کی مدد کے لیے دوسرے بھائی اور جسم کے اعضاء میدان میں آئیں گے، ورنہ نہیں۔ جبکہ تکافل میں اس ظالم بھائی شخصِ قانونی کے تعاون وتناصر کی شرط ہی یہی ہے کہ جو ہمیں چندہ دینے کی مؤونت اور مشقت اٹھائے گا تو صرف اسی کا میں جسم اور بھائی ہوں دوسروں کا نہیں۔ بھلا حدیث شریف میں یہ ساری باتیں کہاں ہیں؟ سوال یہ ہے کہ پھر اس حدیث سے یہ استدلال کیونکر درست مانا جاسکتا ہے؟؟؟

دلیل نمبر (۴): میثاقِ مدینہ

یہ معاہدہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے پانچ ماہ بعد وہاں کے کفار کے ساتھ فرمایا تھا، یہ پورا معاہدہ اور اس کی مختلف دفعات تاریخ اسلام اور سیرت کے کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

یہ معاہدہ باہمی تعاون وتناصر پر مبنی تھا چنانچہ اس میں ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ ہر گروہ کو عدل وانصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا یعنی جس قبیلے کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کا فدیہ اسی قبیلے کے ذمہ ہوگا۔

(تکافل کی شرعی حیثیت:۷۵)

جواب : لیکن اس معاہدے میں یہ کہاں تھا کہ جماعت اُس قیدی کا فدیہ دے گی جس نے جماعت کے افراد پر مالی احسانات کر کے ان کو اپنے مال کے کچھ حصے کا مالک بنایا ہوگا؟ جیسا کہ تکافل میں ہوتا ہے کہ جب تک کوئی شخصِ قانونی کو مال دے کر مالک نہیں بنائے گا تو یہ شخصِ قانونی اس کے ساتھ تعاون بھی نہیں کرے گا۔

دلیل نمبر (۵): تکافل اور توکل

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انشورنس یا تکافل اسلام کے تصورِ توکل کے خلاف ہے لیکن یہ محض غلط فہمی ہے کیونکہ توکل کے معنی ترکِ اسباب کے نہیں، بلکہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے اس کے نتائج کو اللہ کے حوالے کرنے کا نام توکل ہے لہٰذا اسباب کو اختیار کرو اور اس کے نتائج اور ثمرات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے

کرو جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص (بدوی) نے اونٹ کو باندھے بغیر چھوڑا اور اس کو توکل سمجھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ

قال رجل : یا رسول اللہ اعقلها واتوکل او اطلقها واتوکل ؟

قال : اعقلها وتوکل.(ترمذی شریف : ۲۴۴۱)

ترجمہ: ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں اپنے اونٹ کو باندھ کر اللہ پر توکل کروں یا اس کو چھوڑ دوں پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کروں، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : ایسا نہیں کرو، بلکہ پہلے اونٹ کو باندھو، پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

یہ واقعہ جامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسباب اختیار فرمائے ہیں، بیماری میں علاج اختیار فرمایا ہے جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ:

عن اسامة بن شریک قال : قالو یا رسول اللہ افنتدا وی؟ قال :نعم یا عباد اللہ اتداوُوا، فان اللہ لم یضع داءً الا وضع له شفاء غیر داء واحد الهرم.

(مشکوة ۲/۳۸۸،ط:رواه احمد والترمذی و ابوداوٗد)

ترجمہ : حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! (جب ہم بیمار ہوں تو) کیا ہم علاج کروائیں؟ تو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! ہاں علاج کرواؤ! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے علاوہ تمام بیماریوں کا علاج پیدا فرمایا ہے۔

نیز اپنی اولاد اور ورثاء کے لیے اپنے بعد کچھ مال وغیرہ چھوڑنا تا کہ وہ

تمہارے بعد دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں اور ذلیل نہ ہوں، اس کو شریعت نے افضل قرار دیا ہے جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے۔حدیث ملاحظہ ہو۔

قال رسول الله ﷺ انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالة یتکففون الناس.(البخاری ۱/۳۸۳)

ترجمہ :آپ اپنی اولاد کو مال دار چھوڑیں یہ زیادہ بہتر ہے کہ آپ انہیں فقر وفاقہ کی حالت میں چھوڑیں اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔

لہٰذا مذکورہ اعتراض محض غلط فہمی اور احکامِ شرعیہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے، جن سے بچنا ضروری ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت :۷۵تا۷۷)

جواب : یہ بات اپنی جگہ درست اور مسلم ہے کہ اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں، لیکن یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسباب سے مراد کیا ہے؟ کیا ہر جائز وناجائز اور مفید و مضر سبب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس تعمیم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ وہ اسباب جو توکل کے خلاف نہیں ان میں دو باتوں کا ہونا ضروری ہے :

(۱) وہ اسباب شرعیہ ہوں، یعنی کم ازکم جائز ہوں۔

(۲) غیر متلبسہ بالضرر ہوں، یعنی ان اسباب میں منفعت کا پہلو ظاہر اور غالب ہو، اور ضرر کا پہلو معدوم یا کم ازکم مغلوب ہو۔

لہٰذا جو اسباب غیر شرعیہ ہیں، ان کا اختیار کرنا ناجائز اور خلافِ توکل ہوگا۔ جیسے تداوی بالمحرم کی کئی صورتیں ازالہ مرض کے سبب ہونے کے باوجود راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق ان کو اختیار کرنا، ناجائز اور توکل کے خلاف ہے۔

اسی طرح چوری، ڈاکہ زنی، سود، رشوت وغیرہ مال دار ہونے اور زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے اسباب ہیں، لیکن غیر شرعیہ ہونے کی وجہ سے ان کا اختیار کرنا ناجائز اور خلافِ

توکل ہے۔

تکافل بھی اسبابِ غیر شرعیہ میں سے ہے، اس لیے اس کا اختیار کرنا بھی ناجائز اور خلافِ توکل ہے، اور جن علماءِ کرام نے اسے خلافِ توکل فرمایا ہے انہوں نے بجا اور درست فرمایا ہے۔ (کیونکہ تکافل کا خلافِ شرع ہونا ماقبل کی تفصیلی وجوہ سے روزِ روشن کی طرح عیاں اور ثابت ہے)

اسی طرح جو اسباب فی نفسہا تو جائز ہیں، لیکن ان میں منفعت کے مقابلے میں ضرر کا پہلو ظاہر اور غالب ہے ان کو اختیار کرنا بھی ممنوع اور خلافِ توکل ہے۔ کیونکہ جہاں ضرر اور منفعت کا مقابلہ ہوتا ہے وہاں قاعدہ شرعیہ وعقلیہ یہ ہے کہ دفع ضرر کو جلبِ منفعت پر ترجیح ہوتی ہے، جیسے مثلاً دکاندار کے سامنے اِدھر گاہک اور خریدار آیا اور اُدھر پیچھے سے دکان میں آگ لگ گئی، اس صورت میں آگ ضرر ہے اور گاہک کو سودا دینا منفعت۔ اب دکاندار پہلے آگ کے ضرر کو دفع کرے گا یا گاہک سے منفعت کو جلب اور حاصل کرے گا؟ ظاہر ہے کہ پہلے آگ کو بجھائے گا پھر گاہک کو سودا دے گا۔

اسی وجہ سے فقہ میں بھی یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جو عمل اباحت بلکہ استحباب اور بدعت میں دائر ہو جائے، تو اس کا ترک واجب ہے کیونکہ بدعت ضرر ہے اور اباحت واستحباب منفعت ہے، اور دفع ضرر مقدم ہے جلبِ منفعت پر۔ (شامیہ ۱/۶۴۲، ط: سعید)

حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی وجہ سے "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کو ناجائز لکھا ہے کہ تحصیلِ اولاد ایک منفعت ہے اور کشفِ عورت حرام اور مضرت ہے اور دفعِ مضرت مقدم ہوتی ہے جلبِ منفعت پر۔

الحاصل جو اسباب فی نفسہا جائز تو ہوں لیکن ان میں مضرت کا پہلو ظاہر اور غالب ہو تو ان میں مضرت کے پہلو کو ترجیح دیتے ہوئے ان سے بچنے کا اہتمام کیا جائے گا، منفعت کے پہلو کو دیکھ کر ان کو اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔

تکافل کو اگر تھوڑی دیر کے لیے اسبابِ شرعیہ میں داخل کر کے اسے جائز کہا جائے، تو بھی

اس کا اختیار کرنا ناجائز اور خلافِ توکل ہوگا، کیونکہ اس میں مضرت کا پہلو ظاہر، یقینی اور غالب ہے، اور منفعت کا پہلو غیر ظاہر، غیر یقینی اور مغلوب و محتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکافل کے ایجنٹ دن رات لوگوں کو سبز باغ دکھا دکھا کر اس محتمل اور غیر یقینی منفعت کو یقینی اور ظاہر بنا کر پیش کرنے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں۔

دیکھئے! پالیسی اور ممبر شپ حاصل کرنے والا لاکھوں روپے مفت میں دیتا ہے جن پر نہ کوئی ثواب ملتا ہے (کیونکہ دینے سے نیت زیادہ واپس ملنے کی ہوتی ہے، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن: ۱/ ۶۶۱، ۶۶۲ میں آیاتِ قرآنیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں دینے والے کو کوئی ثواب نہیں ملے گا) اور نہ ہی مستقبل میں یقیناً خرما یعنی پالیسی کی رقم۔ (کیونکہ مستقبل میں جس نقصان کو پالیسی میں مدار بنایا جاتا ہے اس کا وقوع یقینی نہیں، بلکہ صرف احتمالی ہے)

جب اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ پالیسی ہولڈر کا ضرر اور نقصان یقینی ہے اور منفعت محض احتمالی، لہٰذا شرعی قاعدے کے مطابق ضرر کو دفع کرنا تحصیلِ نفع پر مقدم ہوگا، یعنی تکافل کا ترک مقدم ہوگا اور اس کو اختیار کرنا ناجائز اور خلافِ توکل ہوگا۔

دلیل نمبر (۶):

ضمان خطر الطریق : اس کی صورت کتب فقہ میں یہ مذکور ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ اس راستے پر چلو یہ محفوظ ہے اور اگر تمہارا مال چھین لیا گیا تو میں ضامن ہوں چنانچہ وہ شخص اس کی ضمانت کی بنیاد پر اس راستے پر چلا، لیکن آگے جا کر اس کو ڈاکوؤں نے لوٹا اور مال چھین لیا تو یہ شخص شرعاً ضامن (ذمہ دار) ہوگا۔ (حاشیہ رد المحتار ۵/۲۹۱) (تکافل کی شرعی حیثیت:۶۱)

مجوزین تکافل کے مطابق ضمان خطر الطریق کو بیمہ اور انشورنس والے لوگ بطور سند جواز پیش کرتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے بعض مجوزین لکھتے ہیں کہ:

”اس میں تاجر نے رسک کو ٹرانسفر کر دیا جس کو شریعت نے قبول کیا۔ لیکن

یہ بات یاد رہے کہ یہ ٹرانسفرنگ مفت (Free) ہے، اس میں عوض کا تصور نہیں ہے، لہٰذا اس سے مروجہ انشورنس کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔"

(تکافل کی شرعی حیثیت:۶۱)

جواب : ضمان خطر الطریق کے دو جواب ہیں:

(۱) اس میں ضامن اپنے ذاتی مال سے ضمانت لیتا ہے، اور تکافل میں وقف مال سے ضمانت لی جارہی ہے، جو کہ جائز نہیں۔ ورنہ اس قسم کی ضمانتوں کے جواز پر کوئی عبارت پیش کیجیے۔

(۲) یہاں ضمانت بغیر کسی شرط کے ہے، یعنی اس میں ایسی کوئی شرط نہیں جس میں معاوضہ کا شائبہ ہو، یعنی ضامن یہ نہیں کہہ رہا کہ میں دائرۂ ضمانت میں صرف ان لوگوں کو داخل کروں گا جو فلاں وقف کو چندہ دیں، یا میرے ساتھ تبرع اور احسان کریں۔ جبکہ تکافل کا تو ببانگ دہل یہ اعلان ہے کہ میرے دائرۂ ضمانت میں صرف وہی لوگ داخل ہوسکتے ہیں جو پہلے ہمارے ایجاد کردہ شخص قانونی کو کثیر مقدار میں چندہ دیں۔

؎ ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

دلیل نمبر (۷) :

ضمان الدرک : اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ڈر رہا ہے کہ میں جو غلام خرید رہا ہوں کہیں یہ آزاد شخص نہ ہو تو دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ تم اس کو خرید لو تو اگر یہ آزاد شخص نکلا تو میں ذمہ دار ہوں گا، بعد میں واقعتاً وہ آزاد شخص نکلا، تو گارنٹی دینے والا ذمہ دار ہوگا البتہ اس کو اس میں اختیار ہے کہ اصل بائع سے اپنا پیسہ واپس لے یا ضامن سے، یہاں بھی رسک ٹرانسفر ہوگیا۔

(تکافل کی شرعی حیثیت:۶۱)

جواب : ضمان الدرک کے دو جواب ہیں:

(۱) اس میں ضامن اپنے ذاتی مال کے پیش نظر ضمانت لے کر دوسرے کو مطالبہ کا حق دیتا

ہے، اگر چہ بعد میں شریعت نے اس کو اختیار دیا ہے کہ جس کی طرف سے وہ ضامن بنا ہے اس سے عوض وصول کر لے۔ جبکہ تکافل میں یہ سارا کا سارا معاملہ وقف مال کی بنیاد پر ہوتا ہے اور وقف مال کی بنیاد پر اس قسم کی ضمانت دینا اور پھر وقف کے مال سے اس کو پورا کرنا کسی کے ہاں جائز نہیں، ورنہ جواز کی عبارت کی نشاندہی فرمائی جائے۔

جیسے کوئی مہتمم خارج میں کسی بائع اور مشتری کے درمیان عقدِ بیع کے وقت مشتری کو اس طرح اطمینان دلائے کہ تم بائع سے پلاٹ خرید لو، اگر بائع کے علاوہ کوئی اور مستحق نکل آیا تو میرے پاس مدرسے کا فنڈ موجود ہے، لہٰذا میں ضامن بن کر کہتا ہوں کہ اس فنڈ سے آپ کا ثمن واپس کر دیا جائے گا۔

(۲) یہاں ضمانت بغیر کسی شرط کے ہے، یعنی اس میں ایسی کوئی شرط نہیں جس میں معاوضہ کا شائبہ ہو، یعنی ضامن یہ نہیں کہہ رہا کہ میں دائرۂ ضمانت میں صرف ان لوگوں کو داخل کروں گا جو فلاں وقف کو چندہ دیں، یا میرے ساتھ تبرع اور احسان کریں۔ جبکہ تکافل کا تو ببانگ دہل یہ اعلان ہے کہ میرے دائرۂ ضمانت میں صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جو پہلے ہمارے ایجاد کردہ شخص قانونی کو کثیر مقدار میں چندہ دیں۔

دلیل نمبر (۸):

عاقلہ: اگر کوئی شخص قتل کرے اور اس کی وجہ سے قاتل پر دیت واجب ہو جائے تو یہ دیت بعض صورتوں میں خود قاتل ادا نہیں کرتا بلکہ اس کی برادری ادا کرتی ہے، اس کو عاقلہ کہتے ہیں۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

عاقلہ کا ثبوت: عاقلہ کا تصور خود احادیث سے ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ

عن أبی هريرة أنه قال: قضى رسول الله ﷺ فی جنين امرأة من بنی لحيان سقط ميتا بغرة عبد أو أمة ثم إن المرأة التی قضى لها بالغرة توفيت فقضى رسول الله ﷺ بأن ميراثها لبنيها

وزوجها وأن العقل على عصبتها. (بخاری : ۶۲۴۳)

ترجمہ : اس قصے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک واقعہ میں جس میں ایک عورت نے دوسری عورت کو مار کر اس کا حمل ضائع کر دیا اس میں آپ ﷺ نے دیت کا فیصلہ فرمایا کہ مارنے والی عورت دیت دے گی، پھر اس مارنے والی عورت کا خود انتقال ہوا، تو اس کی میراث کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اس کی اولاد اور شوہر کو ملے گی اور دیت اس کے عصبہ پر لازم ہے۔

اس میں رسک شیئرنگ ہے، کہ ضمان اور دیت کو برادری کے لوگوں نے برداشت کیا اور یہی سہولت برادری کے ہر فرد کو حاصل ہے۔ لہٰذا یہ رسک شیئرنگ کی نظیر ہے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت: ۶۲،۶۳)

جواب : اس کے کئی جواب ہیں:

(۱) شریعت میں عاقلہ پر دیت اصالۃً واجب ہے نہ کہ نیابۃً، جس میں بندہ کے تصرف اور اختیار کا کچھ بھی دخل نہیں، جبکہ تکافل میں معاونت صرف شخص قانونی پر واجب ہے اور اس وجوب میں بھی واقفین کے تصرف اور اختیار وشرائط کا دخل ہے۔

(۲) دیت ذاتی مال سے دی جاتی ہے، جبکہ تکافل میں وقف مال سے دیا جاتا ہے۔

(۳) دیت میں کوئی ایسی شرط نہیں جس میں عوض کا شائبہ ہو۔ جبکہ یہاں تکافل میں جب تک کوئی چندہ نہیں دے گا اس وقت تک اس کے لئے کچھ بھی خرچ نہیں کیا جائے گا۔

دلیل نمبر(۹):

عقدِ موالات: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے پھر اسی شخص یا کسی تیسرے شخص کے ساتھ یہ عقد کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری میراث تمہاری ہوگی اور اگر میں نے زندگی میں کوئی جنایت یعنی جرم کیا تو اس کا ضمان تم ادا کرو گے، چنانچہ اس عقد کا اسلام نے اعتبار کیا اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

یہ باہمی تعاون وتناصر کی واضح مثال ہے۔

ان نظائرِ شرعیہ سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ اسلام میں رسک ٹرانسفرنگ یا شیئرنگ کو قبول کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات یا نئی ایجاد نہیں''۔
(تکافل کی شرعی حیثیت:۶۳،۶۴)

جواب : اس کے کئی جواب ہیں:

(۱) موالات نومسلموں سے ہوا کرتا تھا، جبکہ تکافل کے معاہدے نومسلموں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ معاہدے قدیم الاسلام بلکہ ذمی کافروں کے ساتھ بھی کیے جاتے ہیں۔

عن تميم الدارى قال : سألت رسول الله ﷺ ما السنة فى الرجل من أهل الشرك يسلم على يدى الرجل من المسلمين؟ قال: هو أولى الناس بمحياه ومماته. رواه الترمذى و ابن ماجه و الدارمى.

(المشكوة ٢٦٤، ٢٦٥، ط:قديمى)

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو اس کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زندگی اور موت میں وہ اس کا قریب ترین شخص ہے۔

(۲) عام طور پر فقہاء اور محدثین بلکہ خود بعض احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا رجحان یہی ہے کہ یہ حکم اوائلِ اسلام کا ہے، اب یہ باقی نہیں رہا بلکہ منسوخ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس پر تکافل کا قیاس درست نہ ہوگا۔

قال المظهر فعند أبى حنيفة و الشافعى و مالك و الثورى رحمهم الله لا يصير مولى و يصير مولى عند عمر بن عبد العزيز و سعيد بن المسيب و عمرو بن الليث لهذا الحديث و دليل الشافعى و أتباعه قوله الولاء لمن أعتق و حديث تميم الدارى يحتمل أنه كان فى بدء الإسلام لأنهم كانوا يتورثون بالإسلام و النصرة ثم نسخ ذلك. (المرقاة ٦ /٢٢٥، ط:رشيديه)

اور اگر منسوخ نہ مانا جائے تو یہ مالی معاوضہ ہے کہ میراث کے عوض میں دوسرا شخص اس کی

جنایات وغیرہ کا ضامن بنتا ہے، اس وجہ سے یہ انشورنس کی منصوص مثال بن جائے گی تو پھر انشورنس کو بھی جائز کہا جائے؟؟؟فما هو جوابكم فهو جوابنا

(۳) احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے موالات کو اب بھی باقی مانا ہے اور فریقین کے مسلمان ہونے کو بھی ضروری قرار نہیں دیا ہے، بلکہ مسلمان اور ذمی کے درمیان بھی عقدِ موالات کو جائز کہا ہے، مگر شریعت میں اس عقد کی حیثیت محض عقد اور معاملے کی نہیں، بلکہ اس سے فریقین کے درمیان ایک طرح کی قرابت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی دلیل اولاً تو فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ ''ولاء'' کی تعریف سے ظاہر ہے۔

هو في الشرع عبارة عن قرابة حاصلة بسبب العتق او بسبب الموالات.

(الهندية ۲۵/۵،ط:رشيديه)

ثانیاً عقدِ موالات کی وجہ سے آپس میں رشتۂ میراث کے قائم کرنے سے ظاہر ہے، چنانچہ حنفیہ لکھتے ہیں:

فان مات ولا وارث له فميراثه للمولىٰ.(الهداية ۳۲۹/۳،ط:رشيديه)

ثالثاً حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت کو کتاب الفرائض (میراث کے بیان) میں جگہ دی ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسی بات جو کہ شریعت میں ''قرابت'' کا درجہ رکھتی ہو اس پر کسی اور معاملے کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ گویا یہ نص اپنے مورد کے ساتھ خاص ہے، جس کے حکم کا تعدیہ جائز نہیں۔

(۴) تکافل کو بعینہ موالات قرار دینا بھی درست نہیں، اولاً: اس لیے کہ موالات کی گنجائش اس شخص کے لیے ہے جس کا زوجین کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو۔

و منها ان لا يكون للعاقد وارث و هو ان لا يكون من وارثه من يقربه فان كان لم يصح العقد.(الهندية ۳۲/۵،ط:رشيديه)

و ان كان له وارث فهو اولى منه و ان كانت عمة او خالة او غيرهما من

ذوی الارحام لان الموالاة عقدهما فلا یلزم غیرهما و ذو الرحم وارث. (الهداية ۳/۳۴۶، ط: رحمانیه)

ثانیاً: اس لیے کہ موالات کا اثر صرف میراث اور دیت میں تعاون کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، دوسرے حادثات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

و منها ان یشترط المیراث و العقل. (الهندية ۵/۳۲، ط: رشیدیه)

و لا بد من شرط الارث و العقل. (الهداية ۳/۳۴۶، ط: رحمانیه)

اور تکافل میں ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال نہیں۔

تنبیہ: مولانا عصمت اللہ صاحب نے تکافل کے ثبوت کے لیے جتنے بھی نظائر پیش کیے ہیں، اگر وہ دلائل کے معنی میں ہیں تو اس کے جوابات بحمد اللہ تعالیٰ گزر چکے اور اگر نظائر اپنے اصطلاحی معنی میں ہیں تو:

اولاً: بتصریح فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے لیے نظائر سے استدلال کر کے کسی چیز کو ثابت کرنا جائز نہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا یکتفی بوجود نظیرها ما یقاربها فانه لایامن ان یکون بین حادثة وماوجده فرق لایصل الیه فهمه فکم من مسئلة فرقوا بینها وبین نظیرتها حتی الّفوا کتب الفروق لذلک ولو ولّی الامر الی افهامنا لم ندرک الفرق بینهما بل قال العلامة ابن نجیم فی الفوائد الزینیة: لایحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما علی المفتی حکایة النقل الصریح کما صرحوا به وقال ایضا ان المقرر فی الاربعة المذاهب ان قواعد الفقه اکثریة لا کلیة نقله البیری فعلی من لم یجد نقلا صریحا ان یتوقف فی الجواب او یسأل من هو اعلم منه ولو فی بلدة اخری کما یعلم مما نقلناه عن الخانیة وفی الظهیریة: وان لم یکن من اهل الاجتهاد لایحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة فیحکی مایحفظ من اقوال الفقهاء. نعم اقد توجد حوادث عرفیة غیر خالفة للنصوص الشرعیة فیفتی المفتی بها کما سنذکره آخر

المنظومة. (شرح عقود رسم المفتی ، ص: ۵۴، ط: البشری)

ثانیاً: یہ سارے نظائر تبرعات ہیں جو قصد کے خلاف کی صورت میں مؤثر نہیں ہوتے اور تکافل میں قصد کے خلاف ہونے کو خود مجوزین بھی تسلیم کرتے ہیں (جیسا کہ وجہ نمبر ۱۵ کے ذیل میں تفصیل گزر چکی)۔

ثالثاً: زیر بحث مسئلہ (تکافل) معناً عقدِ معاوضہ ہے اور عقود پر تبرعات سے استدلال درست نہیں ہے۔

رابعاً: بناء بر تسلیم کہ نظائر سے استدلال درست ہے اور عقود بھی ثابت ہوں تو بھی ذکر کردہ نظائر سے مروجہ تکافل ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ثبوت کے لیے شرط یہ ہے کہ نظائر اور وہ مسئلہ جس کے لیے نظائر کا حکم لایا جا رہا ہے، میں ایسا فرق نہ ہو جس کی بنیاد پر حکم مختلف ہو جبکہ یہاں ایسے فروق موجود ہیں جن کا بیان نظائر کے تحت جوابات میں کیا جا چکا ہے۔

خامساً: محض نظائر پر اکتفا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں مجوزین کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں، ورنہ صرف نظائر پیش کرنے پر اکتفاء نہ کیا جاتا۔

﴿تکافل ایجنٹ کا حکم﴾

تکافل کمپنی کا کمیشن ایجنٹ بننا اور اس کا کمیشن اور اجرت لینا دو وجہ سے ناجائز اور حرام ہے:

(۱) یہاں معقود علیہ (یعنی وہ عمل جس پر کمپنی اجرت دیتی ہے) دوسروں سے رقم نکلوانا ہے اور یہ ایسا عمل ہے جس پر اجیر قادر بقدرۃ الغیر ہے جو بحکم عجز عن العمل ہے اور ایسے عمل پر اجارہ فاسد اور باطل ہوتا ہے لہٰذا یہ اجارہ فاسدہ اور باطلہ ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی، عنوان "سوال مثل بالا" (کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں) کے تحت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :

> "قفیز طحان اجارۂ فاسدہ ہے اور کمیشن پر چندہ کا معاملہ اجارہ باطلہ ہے، بصورتِ حصہ مقررہ اس کی اجرت حرام ہے"...... اور ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :...... "عجز عن العمل، اجیر کو چندہ وصول کرنے پر قدرت

نہیں جب تک کوئی دے گا نہیں یہ وصول نہیں کر سکتا، اور قدرت بقدرتِ غیر بحکم عجز ہے، یہ اجارہ باطلہ ہے اس لیے چندہ لانے والے کے لیے اس کی اجرت بصورتِ حصہ مقررہ حلال نہیں"۔

(احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۷۷، ط: ایچ ایم سعید)

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں معقود علیہ ترغیب دینے کی خدمت ہے نہ کہ رقم نکلوانا تو یہ بھی جہالت کی وجہ سے درست نہیں کیونکہ اس میں یہ جہالت ہے کہ ترغیب دینے کی خدمت کی مدت روزانہ کتنے گھنٹے ہے؟ نیز اجرت کو ترغیب سے حاصل شدہ رقم کے اعتبار سے مقرر کرنا بھی جہالت کی وجہ سے درست نہیں۔

ان دونوں باتوں کی وضاحت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل اُس فتویٰ میں ملاحظہ ہو جو کمیشن پر چندہ سے متعلق ہے:

"یہ مسئلہ کتاب الاجارہ کا ہے، اجارہ کی تعریف یہ ہے :ھی تملیک نفع مقصود من العین بعوض اھ.(در مختار ۲/۵)

"کل ما صلح ثمناً : ای بدلا فی البیع صلح أجرة ؛ لأنها ثمن المنفعة ولا ینعکس کلیاً، فلا یقال : مالا یجوز ثمناً لا یجوز أجرة، لجواز اجارة المنفعة بالمنفعة اذا اختلف اھ.(در مختار ۳/۵)

جس طرح بیع میں مبیع وثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح اجارہ میں منفعت واجر کا معلوم ہونا ضروری ہے :

"و شرطها کون الاجرة و المنفعة معلومتین؛ لأن جهالتهما تفضی الی المنازعة، اھ" در مختار. "الکلام فیهما و فی صفتهما کالکلام فیهما فی البیع اھ" (شامی ۳/۵)

منفعت معلوم ہونے کی صورت مثلاً یہ کہ قلی سے کہا جائے کہ یہ سامان فلاں جگہ پہنچا دو، یا مثلاً معمار سے کہا جائے کہ اتنے گز طویل اور عریض

دیوار تعمیر کردو، یا مثلاً سقے سے کہا جائے کہ مشک میں پانی لے کر مسجد کے حمام میں بھر دو، یا مثلاً یہ مکان ایک ماہ سکونت کے لیے دے دو، وغیرہ وغیرہ

"و یعلم النفع ببیان المدة کالسکنی و الزراعة مدة کذا، و العمل کالصیاغة و الصبغ و الخیاطة، و یعلم أیضاً بالاشارة کنقل هذا الطعام الی کذا اهـ (در مختار ۵/۴)

جو شرط اقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیع فاسد ہو جاتی ہے مبیع یا ثمن کے مجہول ہونے سے، اسی طرح اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اجرت یا ماجور کے مجہول ہونے سے۔

"تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد، فکل ما أفسد البیع، یفسدها کجهالة مأجور أو أجرة، اهـ (در مختار ۵/۲۹)

بیع ایسی چیز کی درست نہیں جس کو مشتری کے سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑنے والا پرندہ، یا جنگل میں چرنے والا ہرن، یا دریا میں مچھلی الّا یہ کہ ان کو پکڑ کر قابو میں کر لے۔ اسی طرح ایسی چیز کو ثمن قرار دینا ہی درست نہیں جس کے تسلیم پر قدرت نہ ہو، یہی حال اجارہ کا ہے۔ ایسی منفعت کا اجارہ درست نہیں جس پر اجیر کو قدرت نہ ہو اور ایسی چیز کو اجرت قرار دینا درست نہیں جس پر مستاجر کو قدرت نہ ہو۔

نیز جو چیز اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اس کو اجرت قرار دینا بھی درست نہیں۔

"استأجر بغلاً لیحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً لیطحن بره ببعض دقیقه، فسد فی الکل، اهـ (درمختار) "لأنه استاجره بجزء من عمله: أی ببعض ما یخرج من عمله، و القدرة علی التسلیم شرط و هو لا یقدر بنفسه. زیلعی اهـ (شامی ۵/۳۶)

سفیر کا کام اگر روپیہ وصول کر کے لانا تجویز کیا جائے تو یہ اجارہ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ کام اس کے اختیار اور قابو سے باہر ہے، اس کو قدرت نہیں کہ وہ لوگوں کی جیب سے روپیہ نکال کر لے آئے:

"لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه". الحدیث.

اس کو روپیہ ملنا اربابِ اموال کے دینے پر موقوف ہے تو یہاں اجارہ ایسے عمل پر ہے جو اجیر کے اختیار سے خارج ہے، اس کے اختیار میں لوگوں کے پاس جانا اور مدرسہ کی ضروریات بتا کر چندہ کی ترغیب دینا ہے، مگر اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، لہٰذا یہ منفعت بھی مجہول ہے، اور اجرت ایسی چیز کو قرار دیا جائے گا جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، وقتِ معاملہ وہ معدوم ہے، مستاجر کے پاس نہیں، اس کو تسلیم کرنے پر مستاجر کو قدرت نہیں۔ یہ بھی معلوم و متعین نہیں کہ کتنا چندہ سفیر کی ترغیب سے حاصل ہوگا، اس لیے اس کا نصف معلوم و متعین نہیں۔ پس اجرت و ماجور دونوں مجہول ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ روپیہ وصول ہو جائے اور سفیر زیادہ رقم کا مستحق قرار پائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ وقت اور محنت میں بھی تھوڑا روپیہ ملے، یا بالکل نہ ملے اور سفیر تھوڑی رقم کا حق دار قرار پائے، یا بالکل ہی محروم رہے، اس کا نتیجہ بھی معلوم۔

جن صاحب نے کمیشن کا مشورہ دیا ہے ان کو یہ تحریر دکھا کر مکرر مشورہ کر کے مجھے بھی مطلع کر دیں، تا کہ مجھے بھی مکرر غور کرنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم دے۔ فقط والسلام..........حررہ العبد محمود گنگوہی، جنوبی افریقہ ۱۴۱۰/۶/۵ھ"

(فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۶۲۵ تا ۶۲۸، ط: ادارۃ الفاروق)

(۲) اگر معقود علیہ ایسی چیز کو بھی بنایا جائے جو شرعاً درست ہو تو بھی ان کمپنیوں کا وکیل بالاجرۃ اور ایجنٹ بننا اور اس کے لیے لوگوں کو تیار کرنا اور ان سے اجرت لینا ناجائز اور حرام ہوگا کیونکہ مقتدر مفتیانِ کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد تکافل کو بھی ''بیمہ اور انشورنس کمپنی'' کی طرح سود، قمار اور غرر کی وجہ سے ناجائز اور حرام فرماتے ہیں، نیز زیرِ نظر کتاب میں بھی دلائلِ واضحہ قاطعہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ تکافل کئی وجوہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

لہٰذا ان حضرات مفتیانِ کرام کے فیصلے کے پیشِ نظر ایسی کمپنیوں کے ساتھ آیت ''**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**'' کے پیشِ نظر کسی قسم کی معاونت جائز نہیں، بلکہ آیت ''**وتعاونوا علی البر والتقوی**'' کے پیشِ نظر ان ایجنٹوں اور وکلاء پر لازم ہے کہ لوگوں کو (بجائے تیار کرنے کے) صاف بتائیں کہ ان کمپنیوں کا جواز یقینی نہیں ہے بلکہ بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اور ایسی صورت میں (جبکہ حلال اور حرام کا مقابلہ اور تعارض ہو تو) حرام کے پہلو اور جانب کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لیے تکافل کمپنیوں سے بھی بیمہ اور انشورنس کمپنیوں کی طرح بچنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تنبیہ : اصل کتاب کا مضمون یہاں ختم ہوا۔

کتاب کی تیاری کے دوران ہی ''پاک قطر فیملی و جنرل تکافل'' کے ''شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ'' کی جانب سے ہمارے ہاں سے شائع شدہ رسالہ ''مروجہ تکافل سے متعلق مختصر و مدلل فتوی'' پر کچھ اشکالات ایک تحریر کی صورت میں بھیجے گئے تھے اور ہمارے ہاں سے ان کا جواب لکھا گیا تھا۔ اصل جواب سے قبل کچھ تمہیدی امور بھی لکھے گئے ہیں، وہ تمہیدی امور اور اصل جواب بھی مزید فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کتاب کے آخر میں شامل کیے جا رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراضات کے جوابات سے پہلے بطورِ تمہید چند باتیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ہمارے اور آپ کی تحریری گفت وشنید کا یہ سلسلہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مقصد حاصل نہ ہو، یعنی اتفاق یا ایسا اختلاف جس میں جانبین ماُجور ہوں۔

(۲) ہمارا معمول یہ ہے کہ جو مسئلہ اختلاف کے حدود میں ہوتا ہے اس پر اولاً تو رسائل وغیرہ کی صورت میں کچھ لکھا ہی نہیں جاتا اور اگر کسی خاص دینی مقصد کی خاطر لکھنا پڑ ہی جائے تو اس میں شدت نہیں ہوتی، ہاں! جہاں اختلاف کے بجائے خلاف ہوتا ہے اور خلاف بھی بدیہی نہ کہ نظری، تو پھر لکھنے کو دینی فریضہ سمجھ کر، عوام کو خلاف سے بچا کر محقق اور مدلل راستے پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) ایک قابل توجہ بلکہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ وقف تمام ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذاہب میں نا قابلِ تجدید وتبدیل تفاصیل کے ساتھ موجود ہے تو اس کی روشنی میں کوئی نظام مرتب کیا جائے، کسی نئی اختراع اور اِحداث کی جس میں تقریباً ابتداء سے انتہاء تک امور نا قابلِ اصلاح حد تک تسامحات پر مبنی ہوں، بھلا کیا ضرورت ہے؟؟

(۴) بندہ کی سوچ ہے کہ جس مسئلہ کی تحقیق نہ ہو اور مسئلہ کا ظاہر کسی وجہ سے درست معلوم نہیں ہوتا ہو تو ایسے مسائل میں پوچھنے والوں کو یہ بتایا جائے کہ فلاں کی تحقیق یہ ہے مثلاً ......جواز...... اور ابھی تک ہماری تحقیق نہیں پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے تحقیق ہو جائے تو پھر اسی کے مطابق جواب دیا جائے۔

(۵) بندہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ ہر ایک کو حق کا شدت سے طالب رہنا چاہیے اور روایت ''کلمة الحكمة ضالة المؤمن'' کے مطابق حق کو اپنی گم شدہ چیز سمجھ کر فوراً قبول کر لینا چاہیے اور رہنمائی کرنے والے کا احسان مند رہنا چاہیے۔

(۶) وضوحِ حق کے بعد اس کے خلاف رائے پر جمود اور اصرار مذموم ہے۔

(۷) ہر مفتی کو چاہیے کہ اقوالِ مختلفہ کی صورت میں راجح اور مفتیٰ بہ قول کی پیروی کرنے

کو عمل اور فتویٰ میں لازم سمجھے تاکہ مرجوح قول پر عمل اور فتویٰ دینے کی صورت میں وعیدوں سے محفوظ ہوں...... نیز تاویلاتِ رکیکہ اور حیل فاسدہ کے ذریعے ضعیف اور مرجوح کو راجح اقوال پر ترجیح دینے کی کوشش ایک منفی کوشش ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔

(۸) ''ضرورت'' کے لفظ کی عظمت اور قوت کے پیشِ نظر یہ مذہب اور مشرب ضروری ہے کہ موافق اور مخالف دونوں ''ضرورت'' پر متفق ہوں تو اس کو ''ضرورت'' کہہ کر اس پر احکام کی تفریع کی جائے، کیونکہ اس کے مصداق کو عام کرنے کی وجہ سے آج بے شمار محرماتِ قطعیہ تک کو جائز قرار دیا جا رہا ہے...... کسی نے سودی بینک کو ''ضرورت'' کہہ کر ''ربا'' کی مختلف شکلوں کو جائز کہا...... کسی نے ''رشوت'' کو ''ضرورت'' کہہ کر اس کی مختلف شکلوں کو جائز قرار دیا...... کسی نے ''موسیقی'' کو ''ضرورت'' کہہ کر مباح، کارِ ثواب بلکہ دین کے پھیلانے کا بڑا ذریعہ قرار دیا۔...... ماضی قریب (مؤرخہ ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ، ۱۷/ فروری ۲۰۱۵ء) میں ''دار العلوم کراچی'' سے جاری شدہ فتویٰ میں ''دین کی اشاعت'' اور ''باطل سے بچنے'' کی ''ضرورت'' کے نام سے عورتوں کو اجنبی مرد اور مولانا صاحب کا عکس دیکھنے کے جواز کی صورت بیان کی گئی ہے، جبکہ مؤرخہ ''۱۲/۱/۱۴۰۶ھ'' کو دار العلوم ہی سے تیس سال قبل ایک فتوی شائع ہوا ہے جس پر حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اور حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم سمیت دار العلوم کراچی کے پانچ مفتیانِ کرام کے دستخط ہیں اور مزید اس فتویٰ کو مضبوطی اور قوت دینے کے لیے اس پر ''جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن'' کے مشہور مفتی حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اُن کے احباب میں سے حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مفتی محمد عبد السلام چاٹگامی صاحب زید مجدہم اور حضرت مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن صاحب زید مجدہم کے تائیدی دستخط اور ''جامعہ فاروقیہ'' کے مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے تائیدی دستخط بلکہ جماعت غرباء اہلحدیث کے بعض علماء کے تائیدی دستخط بھی لیے گئے ہیں۔

اس فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''نامحرم مرد کا عکس کسی نامحرم عورت کو اور نامحرم عورت کا عکس یا تصویر کسی

نامحرم مرد کو دیکھنا جائز نہیں، جیسے آئینہ میں کسی نامحرم مرد و عورت کے لیے جائز نہیں۔ ٹی وی کے پروگرام نامحرم مرد یا عورت ہی پر مشتمل ہوتے ہیں اور عام دیکھنے والے بھی نامحرم ہی ہوتے ہیں"۔

ان اکابر حضرات کے ناموں اور ان کے تائیدی دستخطوں سے شائع ہونے والے اس فتوی میں یہ تفصیل نہیں بتائی گئی کہ نامحرم مرد یا اس کا عکس اگر عورت دیکھے تو اس کی کئی صورتیں ہیں، ان ان صورتوں میں ناجائز اور اس خاص صورت میں جائز ہے کیونکہ اس وقت یہ سارے اکابر اس بات پر متفق تھے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی آلہ اور معیار نہیں کہ ان عورتوں کو دیا جائے جس کو استعمال کر کے دیکھتے وقت وہ خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ آئندہ اس دیکھنے سے شہوت ہوگی یا نہیں؟ فتنہ کا اندیشہ ہے یا نہیں؟ لیکن آج شاید ایسا آلہ اور معیار بھی ایجاد ہو گیا ہے جسے ہر جوان، بوڑھی عورت استعمال کر کے یہ تفریق کر کے کہہ سکتی ہے کہ میرے اس دیکھنے میں فتنے کا خوف ہے یا نہیں...... اس لیے جواز کی یہ شکل نکالی گئی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے گمراہی کا کتنا بڑا دروازہ کھولا گیا، آج ہر عورت جس سے بھی ملاقات کر کے اس کو دیکھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اس لیے کہ یہ جواز ہاتھ آ گیا کہ میں اس صورت سے دیکھ رہی ہوں جو جائز ہے، اس صورت سے نہیں دیکھ رہی جو ناجائز ہے ...... میرے پاس "دار العلوم" کا فتویٰ ہے: "یاد رہے الخ...... نیز ٹی وی کی خرید و فروخت کرنے والے بھی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اس میں ایسے استعمال کی صورت بھی ہے جو جائز ہے لہٰذا اس کا کاروبار بغیر جھجک کے مولانا صاحب کے فتویٰ کی بنیاد پر کریں گے اور کوئی خریدار بھی نہیں شرمائے گا کیونکہ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جائز صورت کی نیت سے میں لے رہا ہوں...... حالانکہ مشاہدہ اور واقعات بتا رہے ہیں کہ اسکرین پر ان شکلوں کے دیکھنے میں فتنے کا شدید اندیشہ ہے...... کیا اہلِ نظر سے یہ واقعات پوشیدہ ہیں ...... کہ بدوں شکل دیکھے صرف نعت اور تلاوت سننے سے کتنی عورتیں ان کے عشق میں مبتلا ہو گئیں ...... اب آواز کے ساتھ جب وہ صورت جس کے ساتھ یہ ٹی وی پر آتے ہیں، دیکھیں گی تو نتائج کیا ہوں گے؟...... جواب ظاہر ہے...... اسی وجہ سے تو اکابر حضرات نے تیس سال پہلے مطلقاً

منع فرمایا تھا............اس منع کے اصول میں سے ایک اصل یہ حدیث بھی ہے جس میں...... آپ ﷺ نے حضرت انجشہ ؓ جو نہایت خوش آواز حدی خواں تھے، کو "**رویدک یا انجشة لاتکسر القواریر**" فرما کر اندیشۂ فتنہ کی ہر صورت سے بچنے کا حکم دیا۔

بہر حال لفظ "ضرورت" بہت اہم لفظ ہے اور اس کی خاص حقیقت اور مصداق ہے، ہر ایک کو اس کے مصداق کی تعیین کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

دیکھیے ! آپ کے شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء نے بھی اپنی تحریر میں "ضرورت" کو بنیاد بنایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"چونکہ آج کل کے حالات میں عوام خاص کر کاروباری لوگوں کے لیے انشورنس "ضرورت" کا درجہ اختیار کر چکی ہے جو ایک فرد نہیں بلکہ پوری سوسائٹی کا مسئلہ ہے"۔

حالانکہ درج ذیل باتوں پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا یہ کہنا حقیقت اور نفس الامر کے بالکل خلاف ہے :

(الف) بے شمار محقق علماءِ کرام اس "ضرورت" کے قائل نہیں۔

(ب) تکافل سے وابستہ افراد کے مقابلہ میں وہ مسلمان زیادہ ہیں جو تکافل کے سہارے کے بغیر جی رہے ہیں، یہ بھی عدمِ ضرورت کی واضح علامت ہے۔

(ج) تکافل پالیسی کے خریدار اور ممبر بنانے کے لیے تیز طرار ایجنٹ اور خلافِ شرع اجارہ کی بنیاد پر پالیسی ہولڈر تیار کرنا بھی واضح علامت ہے کہ عام لوگ اس کو ضرورت نہیں سمجھتے اگر واقعۃً اس کی ضرورت ہوتی تو لوگ خود تکافل کمپنی کے پاس بھاگے بھاگے آتے، تکافل کمپنیوں کو ایجنٹوں کی بھاری تنخواہوں اور فیس پر خلافِ شرع اجارہ کا بوجھ اٹھانا نہ پڑتا...... ہاں اس کی ضرورت بلکہ شدید ضرورت اگر ہے تو...... اسلامی نامی بینکوں کو ہے...... کیونکہ یہ بینک ایک دن بھی تکافل کے بغیر نہیں چل سکتے...... نہ کچھ بیچ سکتے ہیں نہ اجارہ پر دے سکتے ہیں ......لیکن ان کی "ضرورت" کو پورے معاشرے کی "ضرورت" کہنا بدیہی طور پر غلط ہے۔

نیز اگر اہلِ اقتدار کا وہ طبقہ جن کے دلوں میں شریعت کے اصول اور احکام کی عظمت کما حقہا نہیں اور وہ مالی منفعت کی وجہ سے تمام عوام پر تکافل کو لازم کر دیں تو اس کو بھی دوسرے خلافِ شرع ٹیکسوں کی طرح ایک ٹیکس اور جرمانہ سمجھا جائے گا نہ کہ ''ضرورت''۔

''ضرورت'' کا صحیح مصداق :

''ضرورت'' سے متعلق مختصر تفصیل حضرت مفتی عاشق الٰہی بلندشہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمائی ہے، وہ بعینہ نقل کی جاتی ہے :

''بعض لوگوں نے ''الاشباہ والنظائر'' میں ذکر کردہ قواعد ''الضرر یزال'' اور ''لا ضرر ولا ضرار'' اور ''الضرورات تبیح المحظورات'' سے ممنوعات شرعیہ کو جائز قرار دینے کے لیے استدلال کیا ہے، یہ عبارتیں قواعد فقہیہ کے بیان میں کہی گئی ہیں ان کتابوں میں علامہ ابن نجیم مصری کی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' زیادہ معروف ہے......اول تو اس کے بارے میں علامہ شامی کی تصریح سامنے رکھنی چاہیے، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ موصوف سے مقدمہ شرح وقایہ میں ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے جن کو سامنے رکھ کر فتویٰ دینا جائز نہیں:

وینبغی الحاق الا شباہ والنظائر بها فان فیها من الایجاز فی التعبیر ما لایفهم معناہ الا بعد الاطلاع علی ماخذہ بل فیها فی مواضع کثیرۃ الایجاز المخل یظهر ذٰلک لمن مارس مطالعتها مع الحواشی فلا یأمن المفتی من الوقوع فی الغلط اذا اقتصر علیها فلا بدله من مراجعة ما کتب علیهما من الحواشی أو غیرها. انتهیٰ.

پھر اگر کتاب مذکور سے یا کسی بھی قواعد فقہیہ کی کتاب سے استدلال کرنا تھا تو اپنے مطلب کی بات لے کر پنساری بن جانا کہاں درست تھا؟ پوری کتاب کا پڑھنا ضروری تھا لیجیے ''الاشباہ والنظائر'' ہی کی عبارت پڑھ لیجیے: مؤلف فرماتے ہیں:

المشقة والحرج انما یعتبران فی موضع لا نص فیه واما مع النص بخلافه فلا.

دیکھیے! اس میں یہ بتا دیا ہے کہ نص ہوتے ہوئے مشقت اور حرج کا اعتبار نہیں اب سمجھ لیں جن لوگوں نے ربا اور قمار کی حرمت نصوص صریحہ میں موجود ہوتے ہوئے حرج کا اعتبار کر کے انشورنس کو جائز قرار دیا ہے ان کا استدلال آیات کے خلاف تو ہے ہی فقہی قاعدہ کلیہ کے بھی

خلاف ہے۔

اب ''لا ضرر ولا ضرار '' کے بارے میں ابن نجیم کی کتاب کی عبارت سنیے: **وفسره فی المغرب بانه لا یضر الرجل اخاه ابتداءً ولا جزاءً.**

اور ''**الضرر یزال** '' کومقید کرنے کے لیے ایک اور قاعدہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے ''**الضرر لا یزال بالضرر** ''۔ان دونوں قاعدوں سے معلوم ہو گیا کہ ضرر کو زائل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنا جو نقصان ہو گیا ہو اسے جُوا کھیل کر یا سود لے کر پورا کر لیا جائے ،غور کر لیں قرآن کریم کی نص صریح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جو مؤمن کے لیے سراپا ضرر ہے اپنے مالی نقصان کا پڑتا پورا کر لینا کیسے درست ہو گا؟

تیسرا قاعدہ یعنی ''**الضرورات تبیح المحظورات** '' بھی مقید ہے،فقہاء نے اس کی دو چار مثالیں دی ہیں کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو تو مردار کھالے اور گلے میں لقمہ پھنس گیا ہو تو شراب سے اتار لے بشرطیکہ اور کچھ نہ ملے اور کوئی شخص زبردستی کرتے ہوئے اگر ایسی دھمکی دے جس پر عمل نہ کرنے سے جان جانے کا واقعی خطرہ ہو تو دل میں ایمان ہوتے ہوئے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنا جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے پر مجبور کرلے اور یوں کہے کہ میں تجھے قتل کر دوں گا ورنہ تو فلاں شخص کو قتل کر دے تو کسی محقون الدم کا قتل کرنا حلال نہیں ہے۔''الاشباہ والنظائر'' میں اس کی تصریح ہے، دیکھو! جان بچانے کی مجبوری میں دوسرے کو قتل کرنا حلال قرار نہیں دیا،معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ ایسا عام نہیں ہے جیسا کہ نئے مجتہدین نے سمجھ لیا ہے''۔(تبلیغی اور اصلاحی مضامین ۴/ ۱۴۷ تا ۱۵۶،ط:ادارۃ المعارف)

(۹) اجتہاد مجتہد کا وظیفہ ہے اور واقعتاً ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجتہادی مسائل میں ایسی شدت جس میں دوسرے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہو،قابلِ ملامت اور موردِ وعید ہے......البتہ ان حضرات مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے مذاہب کے سمجھنے والے ماہرین فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف اگر کوئی غیر مجتہد ایک نیا اجتہاد کرے گا تو ایسے اجتہاد کے قبول کرنے سے ہم معذور ہیں......اور...... ہر ایک کو معذور ہونا چاہیے...... نیز ہمارا دعویٰ ہے کہ ان ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف جس نے بھی اجتہاد کیا ہے......یا......جو کرے گا......وہ کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ عقل وبداہت کے بھی خلاف ہوگا۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف اجتہاد کے چند نمونے :

(الف) بینکوں میں نفع ونقصان کی تقسیم کا طریقہ کار جس کا نام ''یومیہ پیداوار کی بنیاد پر تقسیمِ نفع'' ہے، اس کی قباحتیں اور خلافِ شرع وعقل ہونا ہماری کتاب...... ''غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ''...... اور...... ''اسلامی بینکاری سے متعلق مدلل فتویٰ'' اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی کتاب...... ''مروجہ اسلامی بینکاری تجزیاتی مطالعہ''...... میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ایک عدد فتویٰ ارسالِ خدمت ہے۔

(ب) نظامِ تکافل جس کی بنیاد ''وقف'' کو بنایا گیا ہے حالانکہ اس میں حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ وقف کی حقیقت اور روح کو ذبح کیا گیا ہے۔شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ...... کی تحریر کے جواب اور غیر مطبوعہ رسالہ...... ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف''...... جس میں وقفِ تکافل کے خلافِ شرع ہونے کی تفصیلی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، بھی ارسالِ خدمت ہے۔

(۱۰) وقف دیانات اور تبرعات میں سے ہے یا مالی معاملات میں سے؟ اس کے لیے مذہبِ غیر اور ضعیف اقوال کا سہارا لینے کی گنجائش ہے؟

دیانات اور تبرعات میں احتیاط پر عمل کرنا تو واجب ہے لہٰذا جس مذہب میں سب سے زیادہ احتیاط ہو اسی کو لینا چاہیے۔

(۱۱) کسی مذہب سے کوئی قول اور مسئلہ لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ اور عنوان سے متعلق اس مذہب کی تمام تفصیلات کو بغور دیکھا جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مسئلہ اور قول مطلق ہے یا کسی شرط کے ساتھ مقید؟

شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی ارسال کردہ تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ تکافل کے موجدین حضرات، فقہ حنفی میں بھی اس موضوع اور عنوان کو تفصیلاً غور سے نہیں دیکھ سکے...... تو ...... دوسرے مذاہب کا کیا حال ہوگا؟...... تفصیل جواب میں ملاحظہ ہو۔

اسی طرح تحریر میں مالکیہ کی طرف ''نقود'' کے وقف کے جواز کو منسوب کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ یہ ان کا راجح قول ہے، جبکہ آپ کی اپنی نقل کردہ عبارات میں اس کے خلاف

صراحت ہے،...... تفصیل جواب میں ملاحظہ ہو۔

اسی طرح شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں کئی مرتبہ وقفِ تکافل کو وقفِ مطلق کہا گیا ہے...... کہ ''یہ وقفِ مطلق ہے، لہٰذا اغنیاء اور فقراء دونوں کو شامل ہے''...... حالانکہ وقفِ مطلق کی مختلف صورتیں ہیں...... نیز...... یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ...... ان حضرات نے تکافل کے جواز پر لکھی جانے والی کتاب کا بھی مطالعہ نہیں کیا...... کیونکہ...... جواز پر لکھی گئی کتابوں میں صراحۃً لکھا ہوا ہے کہ ''تکافل کا وقف مطلق نہیں''............ (تفصیل جواب میں ملاحظہ ہو)

تعجب ہے! کہ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء نے مطلق وقف میں دونوں کو شامل کر کے ہر صورت میں وقف کو جائز کیسے کہا؟

تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متعلق ان حضرات نے فقہ حنفی کو بھی نہیں دیکھا، ورنہ سمجھتے کہ وقفِ تکافل کو وقفِ مطلق کہنا خود اس کو ناجائز اور باطل کہنا ہے...... تفصیل جواب میں ملاحظہ ہو۔

بہر حال شرعاً لازم ہے کہ کسی دوسرے مذہب کی طرف مسئلہ منسوب کرنا اس وقت جائز ہے جب اس مسئلہ سے متعلق تمام تفصیلات کو بغور دیکھا جائے۔

﴿شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر اور ہماری گزارشات﴾

اس تحریر کے جن حصوں پر کلام کی ضرورت محسوس ہوئی ان حصوں پر ذیل میں گزارش کے عنوان سے غور کے لیے چند امور نمبر وار پیش کیے جا رہے ہیں...... امید ہے کہ ان گزارشات پر غور کیا جائے گا اور ان امور سے متعلق اپنی رائے اور عمل سے ضرور ہمیں آگاہ کیا جائے گا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین۔

﴿نمبر ۱﴾ : ''نقود کا وقف اور ائمہ اربعہ'' عنوان کے تحت وقفِ نقود سے متعلق ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کیا گیا ہے اور ہر ایک کی فقہ کی عبارات بھی نقل کی گئی ہیں اور یہاں سے جاری شدہ فتویٰ کے خلاف ان ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذاہب کو بیان کیا گیا ہے...... اس سلسلے میں ہماری گزارش ذیل میں ملاحظہ ہو:

گزارش: ذیل میں عام فہم انداز میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذاہب مع عباراتِ صریحہ اور اس سے نکلنے والا نتیجہ اور وقفِ تکافل سے اس کی مطابقت پیش کی جاتی ہے:

مذاہب اربعہ اور وقفِ نقود

شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب:

ان کے مذہب کے بارے میں تو آپ بھی مانتے ہیں کہ ان کے ہاں وقفِ نقود جائز نہیں، جیسا کہ تحریر میں مذکور ہے:

> ”ہماری ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگرچہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نقود کا وقف جائز نہیں، لیکن مالکیہ اور احناف کے نزدیک نقود کا وقف جائز ہے“۔(ص:۱٦)

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب:

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب سے متعلق شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

> ”فقہ مالکی سے محمد بن عبداللہ خرشیؒ اپنی کتاب شرح مختصر خلیل میں لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے نزدیک راجح مذہب نقود کے وقف کے جواز کا ہے، اور عدمِ جواز کی روایت ضعیف ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

(ص) وفي وقف كطعام تردد (ش) يعني أن المثلي كان طعاما أو نقدا هل يصح وقفه أم لا فيه تردد فأحد المترددين يقول بالجواز كالحنطة ونحوها إذا وقفت للسلف ؛ لأنها تطول إقامتها ونزل رد بدل ما انتفع به بمنزلة دوام العين وهذا في المدونة وقال ابن الحاجب وابن شاس لا يجوز وقف ذلك؛ لأن منفعته في استهلاكه والوقف إنما ينتفع به مع بقاء عينه ومحل التردد أنه وقف لينتفع به ويرد بدله وأما على أنه ينتفع به مع بقاء عينه فهو باطل باتفاق ثم إن المذهب جواز وقف ما لا يعرف بعينه كالطعام والدنانير والدراهم كما يفيده كلام الشامل فإنه بعد ما حكى القول بالجواز حكى القول بالكراهة بقيل والقول بالمنع أضعف الأقوال ويدل للصحة قول المؤلف في باب الزكاة وزكيت عين وقفت للسلف .(شرح مختصر خليل للخرشي ۷/۸۰)

اسی کتاب پر صاحبِ حاشیہ عدوی لکھتے ہیں کہ نقود کے وقف کے جواز کی روایت ہی قابلِ اعتماد ہے :

لكن أقول الظاهر منه الصحة ثم ما قاله الشارح عن ابن شاس مخالف لما في الشيخ أحمد فإنه نقل عن ابن شاس أن الوقف غير صحيح ونقل عن البيان الكراهة قائلا وذلك مستلزم للصحة فالتردد في الصحة وعدمها واقتصر الشيخ أحمد المذكور وتبعه عب على أن التردد في غير الدنانير والدراهم بل في الطعام وما لا يعرف بعينه إذا غيب عليه وأما الدنانير والدراهم فيجوز وقفهما للسلف قطعا وإذا علمت ذلك فالحق أن التردد في الكل والمعتمد الصحة كما أفاده شارحنا.(حاشية العدوي على شرح مختصر خليل للخرشي ۸۰/۷)

اور اس کی تائید علامہ سحنون صاحبِ مدونہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

قلت لمالك: أو قيل له فلو أن رجلا حبس مائة دينار موقوفة يسلفها الناس ويردونها على ذلك جعلها حبسا هل ترى فيها زكاة فقال: نعم أرى فيها زكاة. قلت له: فلو أن رجلا جعل مائة دينار في سبيل الله تفرق أو على المساكين فحال عليها الحول هل تؤخذ منها الزكاة فقال: لا هذه كلها تفرق وليست مثل الأولى وكذلك البقر والإبل والغنم إذا كانت في سبيل الله تفرق أو تباع فتقسم أثمانها فيدركها الحول قبل أن تفرق فلا يؤخذ منها زكاة لأنها تفرق ولا تترك مسبلة وهو رأيي في الإبل إذا أمر أن تباع ويفرق ثمنها مثل قول مالك في الدنانير.(المدونة ۳۸۰/۱)

(تحریر شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ، صفحہ ۶، ۷)

گزارش : مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب کی کتابوں سے جو حوالے پیش کیے گئے ہیں ......ہم نے بار بار ان پر غور کیا لیکن وہ نتیجہ جو ان سے نکالا گیا ہے سمجھ میں نہیں آیا بلکہ اس کے خلاف نتیجہ اس وضاحت کے ساتھ نظر آیا کہ اگر ان عبارات کا صرف لفظی ترجمہ ہی کر دیا جائے اور کسی غیر عالم کو وہ ترجمہ سنایا جائے تو وہ بھی بآسانی سمجھ کر یہ کہے گا کہ اس میں آپ حضرات کا بتلایا ہوا نتیجہ نہیں...... بلکہ اس کے خلاف ہے ......ہم یہاں صرف عبارات کا خلاصہ عرض

کر دیتے ہیں:

ان عبارات میں وقفِ نقود کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں جن میں سے ایک میں اختلاف ہے اور راجح جواز ہے جبکہ دوسری قسم کے عدمِ جواز پر اتفاق ہے۔

پہلی قسم یہ ہے کہ نقود کو اس طرح وقف کیا جائے کہ بعینہٖ انہی نقودِ موقوفہ سے موقوف علیہم اس طرح انتفاع حاصل کرتے رہیں کہ اس کا عین بدلتا رہے جیسے باری باری قرض لینے اور واپس کرنے کی صورت میں۔(ان کے غلہ اور آمدنی سے انتفاع کی بات نہ ہو)

حکم : اس میں تین قول ہیں:

(۱) جائز ہے۔

(۲) ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۳) مکروہ ہے۔............راجح جواز اور صحت ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ نقود کو اس طرح وقف کیا جائے کہ اس کے عین سے موقوف علیہم انتفاع حاصل نہ کریں بلکہ وہ محفوظ رہے اور اس کے غلہ و آمدنی سے موقوف علیہم انتفاع حاصل کرتے رہیں۔

حکم: یہ صورت حضرات مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتفاقاً ناجائز ہے۔

دیکھیے ! درج ذیل عبارت میں پہلی قسم جس میں اختلاف ہے، کا بیان ہے:

فأحد الترددين يقول بالجواز كالحنطة ونحوها إذا وقفت للسلف ؛ لأنها تطول إقامتها ونزل رد بدل ما انتفع به بمنزلة دوام العين وهذا فى المدونة وقال ابن الحاجب وابن شاس لا يجوز وقف ذلک ؛ لأن منفعته فى استهلاكه .... ومحل التردد أنه وقف لينتفع به ويرد بدله.

اور درج ذیل عبارت میں دوسری قسم کا بیان ہے جس کا عدمِ جواز ان کے ہاں متفق علیہ ہے:

..........وأما على أنه ينتفع به مع بقاء عينه فهو باطل باتفاق............ .(شرح مختصر خليل للخرشى ۷/۸۰)

اب تکافل کے نقود کے وقف کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ پہلی قسم میں داخل ہے یا دوسری قسم میں

؟......تو ظاہر ہے کہ یہ دوسری قسم میں داخل ہے کیونکہ اس میں واقفین کے وقف کردہ نقود بقول مجوزین حوض میں باقی رہتے ہیں اور ان سے موقوف علیہم بطور قرض وغیرہ نہ انتفاع کرتے ہیں اور نہ کرنے دیے جاتے ہیں بلکہ ان نقود کے غلہ اور آمدنی سے انتفاع حاصل کرتے ہیں...... اس لیے اہلِ تکافل یعنی اصل واقفین نے غلہ اور آمدنی حاصل کرنے کی مختلف صورتیں بنائی ہیں............ چنانچہ مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''وقف میں ذکر کردہ نکات (Features) میں سے درج ذیل چار نکات کا زیادہ دخل ہے۔

۱................................ ۲................................

۳....اصل وقف خرچ نہیں ہوگا، البتہ اس کو باقی رکھتے ہوئے اس سے استفادہ کیا جائے گا۔ (تکافل کی شرعی حیثیت ص:۹۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

''(۱)............کمپنی کے شیئر ز ہولڈر کچھ رقم باقاعدہ وقف کریں گے، اس رقم سے ایک وقف پول قائم کیا جائے گا، یہ رقم وقف ہوگی، ان شیئر ہولڈرز کی حیثیت واقف کی ہوگی، اور یہ رقم ہمیشہ فنڈ یا پول میں باقی رہے گی کیونکہ یہ اصل وقف ہے اس کو (Cading Amount) کہتے ہیں۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''فنڈ کی آمدنی اور اخراجات:

آمدنی :

(۱) شرکاءِ تکافل سے وصول شدہ زرِتعاون (یعنی چندہ)۔

(۲) ری تکافل آپریٹرز سے حاصل شدہ کلیمز۔

(۳) فنڈز کی سرمایہ کاری سے حاصل شدہ نفع۔

(۴) پول کے فنڈ میں خسارے کی صورت میں وکیل (تکافل کمپنی) سے حاصل شدہ قرضِ حسنہ۔

(۵) اس فنڈ میں دیا جانے والا کوئی بھی عطیہ۔

(٦) ری تکافل آپریٹر سے حاصل شدہ کمیشن۔

(۷) ری تکافل آپریٹر سے حاصل شدہ سرپلس (اگر کوئی ہو)۔

(۸) تباہ شدہ گاڑی یا گھر وغیرہ کا ملبہ۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۲)

ان عبارات میں صراحت ہے کہ موقوف علیہم غلہ سے نفع حاصل کر رہے ہیں، نہ کہ اصل وقف سے بطور قرض...... اور اس صورت کو مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب میں اتفاقاً ناجائز بتلایا گیا ہے.......... لہٰذا ثابت ہوا کہ مذہبِ مالکیہ میں بھی تکافل کا وقف جائز نہیں۔

حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب:

وقفِ نقود جو منقولات کی تیسری قسم ہے، میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان جو اختلاف ہے...... اس کی حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دو نوعیتیں بیان فرمائیں ہیں :

پہلی نوعیت یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرف ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلقاً جائز۔

دوسری نوعیت یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلقاً ناجائز، خواہ عرف ہو یا نہ ہو۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عرف ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی دوسری نوعیت کو ترجیح دے کر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

اگر کسی کو یہ ترجیح پسند نہیں اور پہلی نوعیت کے اختیار کرنے پر ہی بضد ہے تو اولاً:...... راجح، مشہور اور مفتیٰ بہ کے خلاف کرنے پر شدید وعیدیں ہیں جو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

نے بیان فرمائی ہیں اور ''شرح عقود رسم المفتی'' میں شعر:

واعلم بأن الواجب اتباع ما ترجیحه عن اهله قد علما

کے تحت تفصیل سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہیں۔

ثانیاً: اختلاف کی اس نوعیت میں راجح قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے جس کی تفصیل رسالہ مرسلہ ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' میں صفحہ: ۵۵ پر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھی گئی ہے لہٰذا اس اختیار سے بھی مقصود حاصل نہ ہوگا۔

الحاصل : نقود کا وقف مذاہبِ اربعہ میں ناجائز اور غیر صحیح ہے، لہٰذا فتویٰ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ اور ''شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ'' کی تحریر میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ: ''............لیکن مالکیہ اور احناف کے نزدیک نقود کا وقف جائز ہے'' ......خلافِ واقع ہے۔

﴿نمبر۲﴾ : شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے کہ :

''<u>نقود کا وقف اور عرف</u> : رہا یہ سوال کہ آج کل نقود کے وقف کا عرف نہیں اور ان کے وقف کے صحیح اور درست ہونے کے لیے تعامل اور عرف شرط ہے، لہٰذا فقہ حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق یہ وقف درست نہیں ہونا چاہیے۔ اور دوسری بات ''علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق بعض کے عمل (وقف کرنے) کو تعامل نہیں کہا جا سکتا''، لہٰذا بعض حضرات کا وقف کرنے سے عرف نہ ہونے کی وجہ سے مفتی بہ قول کے مطابق نقود کا وقف درست نہیں ہونا چاہیے۔ اس سوال کے جواب سے پہلے ہم علامہ شامی ہی کے تحریر کردہ رسالہ ''نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف'' جو رسائل ابن عابدین میں چھپا ہوا ہے، اور ''شرح عقود رسم المفتی'' سے کچھ تمہیدی باتیں ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

۱۔ عرف کہتے ہیں ''وہ عادت جو عقل کی رو سے دلوں میں جم جائے اور اس کو سلیم فطرتیں قبول کر لیں، اور عادت وہ بات ہے جو کسی عقلی ربط کے بغیر بار بار پیش آئے'' (درسِ شرح عقود رسم المفتی)

۲۔ وہ احکام جس پر احکامِ شرع کا مدار ہوتا ہے فقہاءِ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ عرفِ عام: وہ ہے جو تمام شہروں میں جاری ہو۔

۲۔ عرفِ خاص: وہ ہے جو کسی خاص شہر یا خاص علاقے یا کسی خاص طبقہ میں رائج ہو۔

اسی طرح یہ دونوں عرف، قولی بھی ہو سکتے ہیں اور فعلی بھی، قولی عرف کے ذریعے تمام ائمہ کے نزدیک عام میں تخصیص کی جا سکتی ہے، جبکہ عملی عرف سے صرف حنفیہ کے نزدیک عام میں تخصیص کی جا سکتی ہے لیکن شوافع کے نزدیک نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ جس شہر یا ملک میں جو عادات اور رواج جاری ہو اور وہ مذکورہ دونوں قسموں میں سے کسی میں داخل نہ ہو تو اسے کسی حکمِ شرعی کا مدار نہیں بنایا جا سکتا۔

وذكر الهندي في شرح المغني : العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عن الطباع السليمة وهي أنواع ثلاثة : العرفية العامة كوضع القدم والعرفية الخاصة كاصطلاح كل طائفة مخصوصة كالرفع للنحاة والفرق والجمع والنقض للنظار والعرفية الشرعية كالصلاة والزكاة والحج تركت معانيها اللغوية بمعانيها الشرعية (انتهى).

(الاشباه والنظائر لابن نجيم :ص : ۷۹)

............(الی قولہ)............اس مختصر تمہید کے بعد نقود کے وقف کے عرف کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگرچہ نقود کے وقف کا عرفِ عام نہیں، (جیسا کہ منسلکہ فتویٰ میں مذکور ہے) لیکن تکافل میں نقود کا وقف اس آخری صورت میں ضرور آتا ہے جس میں عرفِ خاص بھی معتبر ہے یعنی وہ عرف جو کسی خاص شہر یا خاص علاقے یا کسی خاص طبقہ میں رائج ہو، اب تکافل کے طبقہ اور اس میں موجود تمام کمپنیوں کے عرف کو اگر مدِ نظر رکھا جائے تو یہ عرفِ

خاص میں آتا ہے، لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حنفیہ کے موقف کے مطابق تکافل کے نظام کے تحت کیا جانے والا النقود کا وقف درست اور صحیح ہے۔ (ص:۱۶)

گــــزارش: اس عبارت کا مقصد وقفِ نقود میں عرف کو ثابت کرنا ہے جبکہ اس سے عرف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عرفِ خاص کی حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو تین قسمیں لکھی ہیں ان میں سے یہ کسی ایک میں بھی داخل نہیں اور شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کا وقفِ تکافل کو عرفِ خاص کی دوسری قسم یعنی ''عرفیہ خاصہ'' میں داخل کرنے میں تسامح ہوا ہے کیونکہ ''عرفیہ خاصہ'' کی جو مثال دی گئی ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مراد اس شعبے سے تعلق رکھنے والے سب کا یا اکثر کا معمول اور قول ہو ورنہ عرفِ خاص ثابت نہ ہوگا۔ دیکھیے! ....**کالرفع للنحاة**.......... یہاں نحاۃ سے مراد طبقۂ نحاۃ ہے، کسی خاص مدرسے یا خاص گاؤں کے محلے کے نحاۃ مراد نہیں اسی طرح یہاں وقف میں بھی طبقۂ واقفین مراد ہے، طبقۂ متکافلین مراد نہیں اور طبقۂ واقفین ہر علاقے، ہر شہر میں ہوتا ہے اور اس طبقہ میں عملاً اور قولاً دونوں طرح وقفِ نقود غیر معروف اور غیر معمول بہ ہے بلکہ اس طبقہ کی اکثریت بلکہ پورا طبقہ اس وقف کو جانتا تک نہیں (کیونکہ اس طبقہ میں متکافلین کی نسبت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں) پس اس عبارت سے بھی عرف ثابت نہ ہوا۔

نیز خود تکافل میں بھی چند گنے چنے افراد کے نقود وقف ہوتے ہیں باقی سینکڑوں ہزاروں کے نقود بقول مجوزین وقف نہیں بلکہ مملوکِ وقف ہوتے ہیں۔

ضعیف قول: شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ نقود کے وقف کا عرف نہیں تو حنفیہ کی ایک ضعیف روایت مطلقاً جواز کی بھی ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت ضعیف قول پر بھی عمل کرنے کی اجازت ہے۔ (صفحہ:۱۶)

گـزارش: یہ کہنا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ضعیف قول، مطلق جواز کا بھی ہے، خواہ عرف ہو یا نہ ہو۔

اس سلسلے میں پہلی بات اوپر آچکی کہ اختلاف کی اس نوعیت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح اور قوی ہے جس میں عرف کی شرط ہے...... لہٰذا اس کے خلاف لینا جائز نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کوئی وقتی اور نجی مسئلہ نہیں اور نہ ہی ایسی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر دنیا بھر سے وقف کی تمام صورتیں ناپید ہوجائیں گی...... جس کے لیے ضعیف قول کو لیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب خود ماہرین حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دوسری نوعیت کو ترجیح دے کر اسی پر فتویٰ دے دیا...... تو اب ان کی ترجیح کے بعد ہم تجارتی وقف جو متعدد وجوہ سے اصلی وقف کے خلاف ہے، میں ضعیف قول کا سہارا کیوں لیں؟ اگر بالفرض تکافل کا وقف ہر اعتبار سے شریعت کے مطابق ہوتا اور اس میں عدمِ جواز کی اور کوئی وجہ نہ ہوتی، صرف عرف کے ہونے یا نہ ہونے پر اس کی صحت اور عدمِ صحت کا مدار ہوتا اور سارے متدین علماء یا ان کی اکثریت اس کی ضرورت پر اتفاق کرتی تو پھر شاید ضعیف قول کو لینے کی گنجائش نکل آتی۔ اذ لیس فلیس۔

﴿نمبر ۳﴾: امام بخاری، حافظ ابن حجر رحمهما الله تعالیٰ اور وقف نقود :

شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے :

صحیح بخاری کے مندرجہ ذیل باب اور امام بخاری کے ذکر کردہ اثر سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نقود کے وقت کے جواز کی طرف مائل ہیں:

باب وقف الدواب والكراع والعروض والصامت وقال الزهری فیمن جعل ألف دینار فی سبیل الله ودفعها إلى غلام له تاجر یتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساكین والأقربین هل للرجل أن يأكل من ربح ذلك الألف شيئا وإن لم يكن جعل ربحها صدقة فی المساكین قال لیس له أن يأكل منها.

(صحیح البخاری ۱۲/۴)

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں اس باب سے نقود کے

وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے اور پھر ایک مشہور اعتراض کا تذکرہ کر کے اس کا جواب دیتے ہیں کہ: نقود سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کو خرچ کرنا پڑے گا، جس کی وجہ سے وہ باقی نہیں رہیں گے، تو اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ نقود کو بذاتِ خود باقی رکھ کر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، لیکن ان کے بدل کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، لہٰذا ان کا وقف درست ہونا چاہیے۔

هذه الترجمة معقودة لبيان وقف المنقولات، و الكراع بضم الكاف و تخفيف الراء اسم لجميع الخيل فهو بعد الدواب من عطف الخاص على العام والعروض بضم المهملة جمع عرض بالسكون وهو جميع ما عدا النقد من المال والصامت بالمهملة بلفظ ضد الناطق والمراد من النقد الذهب والفضة ووجه أخذ ذلک من حديث الباب المشتمل على قصة فرس عمر أنها دالة على صحة وقف المنقولات فيلحق به ما فى معناه من المنقولات إذا وجد الشرط وهو تحبيس العين فلا تباع ولا تذهب بل ينتفع بها والانتفاع فى كل شئ بحبسه قوله وقال الزهرى الخ هو ذهاب من الزهرى إلى جواز مثل ذلک وقد أخرجه عنه هكذا بن وهب فى موطئه عن يونس عن الزهرى ثم ذكر المصنف حديث بن عمر فى قصة عمر فى حمله على الفرس فى سبيل الله ثم وجده يباع وقد تقدم شرحه مستوفى فى كتاب الهبة واعترضه الاسماعيلى فقال لم يذكر فى الباب إلا الاثر عن الزهرى والحديث فى قصة الفرس التى حمل عليها عمر فقط وأثر الزهرى خلاف ما تقدم من الوقف الذى أذن فيه النبى ﷺ لعمر بأن يحبس أصله وينتفع بثمرته والصامت إنما ينتفع به بأن يخرج بعينه إلى شئ غيره وليس هذا بتحبيس الاصل والانتفاع بالثمرة بل المأذون فيه ما عاد منه نفع بفضل كالثمرة والغلة والارتفاق والعين قائمة فأما ما لا ينتفع به إلا بافاتة عينه فلا اه ملخصا وجواب هذا الاعتراض أن الذى حصره فى الانتفاع بالصامت ليس بمسلم بل يمكن الانتفاع بالصامت بطريق الارتفاق بأن يحبس مثلا منه ما يجوز

لبسه للمرأة فيصح بأن يحبس أصله وينتفع به النساء باللبس عند الحاجة إليه كما قدمت توجيهه والله أعلم.(فتح الباری لابن حجر : ۴۰۵/۵)۔(تحریر شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ،ص:۸،۹)

گزارش : وقفِ نقود کے مطلقاً جائز ہونے پر امام بخاری اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ کی عبارات سے بھی تائیداً سہارا لیا گیا ہے، اس سلسلے میں بھی گزارش یہی ہے کہ ان عبارات کا بھی اگر ترجمہ ساتھ ہی کر دیا جاتا تو صحیح مطلب تک رسائی آسان ہوتی، ہم ذیل میں اس سے متعلق چند باتیں صحیح مطلب تک پہنچنے کے لیے پیش کیے دیتے ہیں :

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ترجمۃ الباب اور اس میں بیان کردہ اثرِ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ میں اس بات کا بیان ہے کہ نقود بایں طور وقف کیے جائیں کہ ان کو تجارت میں لگا کر ان سے حاصل شدہ نفع موقوف علیہم پر خرچ کیا جائے تو یہ جائز ہے، ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے اور ان کے علاقے میں اس کا تعامل اور عرف بھی ہو تو گویا اس مسئلہ میں انہوں نے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کو ترجیح دی ہے البتہ اس صورت میں شے موقوف اگرچہ حقیقتاً باقی نہیں لیکن حکماً اب بھی باقی ہے تو عدمِ تابید کا اعتراض نہیں ہو سکتا لہٰذا عدمِ تابید کا جواب ہو گیا۔

(۲) ”هل للرجل ان يأكل من ربح ذلك الا لف شيئًا الخ.........“ اس عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وقف مطلق ہو یا مساکین اور اقرباء کے لیے ہو اور واقف نے اپنے لیے انتفاع کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو ہر صورت میں خود واقف کے لیے انتفاع جائز نہیں حالانکہ اس کے خود مجوزین بھی قائل نہیں ہوں گے۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اثرِ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ پیش کر کے سونے چاندی کے وقف کے جواز پر جو استدلال کیا ہے اس استدلال پر کیے گئے اعتراض کا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے درج ذیل الفاظ میں جو جواب نقل کیا گیا ہے، حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت میں تسامح ہوا ہے، تحریر میں لکھا ہے کہ :

''...........اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ نقود کو بذاتِ خود باقی رکھ کراس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا لیکن ان کے بدل کو باقی رکھ کراس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لہٰذا ان کا وقف درست ہونا چاہیے''۔(ص:۹)

حافظ صاحب کی جو عربی عبارت اس جواب کی خاطر نقل کی گئی ہے اس میں یہ جواب نہیں، بلکہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا ہے وہ دوسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''صامت یعنی سونا چاندی میں سے وہ اشیاء جن کا پہننا عورت کے لیے جائز ہے ان کا عین باقی رکھ کر عورتیں (موقوف علیہن) ان سے حاجت کے وقت پہننے کا نفع اٹھاتی رہیں''۔

دیکھیے! درج ذیل عبارت میں یہ جواب صراحۃً موجود ہے جبکہ نقل کردہ جواب پوری عبارت میں کہیں بھی نہیں:

وجواب هذا الاعتراض أن الذی حصره فی الانتفاع بالصامت لیس بمسلم بل یمکن الانتفاع بالصامت بطریق الارتفاق بأن یحبس مثلا منه ما یجوز لبسه للمرأة فیصح بأن یحبس أصله وینتفع به النساء باللبس عند الحاجة إلیه کما قدمت توجیهه والله أعلم .

الحاصل : حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صرف اس صورت کے نقود کے وقف کے قائل ہیں جس صورت میں عین باقی رہے ورنہ وہ جواز کے قائل نہیں۔

﴿نمبر ٤﴾ : دوسری وجہ پر شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کا اعتراض اور اس کا جواب:

گزارش : مذاہب کی تفصیل اور آپ کے استدلالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

اغنیاء پر وقف اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کی وضاحت:

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب :

شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے :

البتہ احناف کا موقف یہ ہے کہ محض اغنیاء کے لیے وقف کرنا درست نہیں، کیونکہ وقف میں قربت کی جہت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، ہاں! البتہ اگر مطلق وقف کیا جائے جس میں اغنیاء اور فقراء دونوں شامل ہوں، یا صرف فقراء کے لیے وقف کیا جائے، یا اغنیاء کے لیے وقف کیا جائے اور ان کے بعد اس کے مستحق فقراء ہوں تو ان سب صورتوں میں وقف درست ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اگر اغنیاء پر ضمنی طور پر اور فقراء کے ماتحت بنا کر وقف کیا جائے تو درست ہے، لیکن محض اغنیاء ہی کے لیے وقف کرنا درست نہیں۔ چنانچہ ہماری کتب میں ہے کہ...................... (صفحہ۱۹)

گزارش : احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب میں اغنیاء پر وقف کی کل چار صورتیں ہیں:

(۱) موقوف علیہم صرف اغنیاء ہوں۔

حکم : وقف جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة . (الشامية ،كتاب الوقف ۳۳۸/۴، ط :سعيد)

(۲) موقوف علیہم اغنیاء اور فقراء دونوں ہوں اور اغنیاء محدود اور فقراء غیر محدود ہوں۔

حکم : یہ صورت وقفاً صحیح ہے۔

قال العلامة الموصلي رحمه الله تعالىٰ : ولا يجوز الوقف على الأغنياء وحدهم لأنه ليس بقربة ولا يستجلب الثواب وصار كالصدقة ولو وقف على الأغنياء وهم يحصون ثم من بعدهم على الفقراء جاز ويكون كما شرط لأنه قربة في الجملة بأن انقرض الأغنياء.(الاختيار لتعليل المختار ۵۱/۳، ط:دار الكتب العلمية)

لا يجوز الوقف على الاغنياء وحدهم و لو وقف على الاغنياء و هم يحصون ثم بعدهم على الفقراء يجوز و يكون الحق للاغنياء ثم للفقراء كذا في محيط السرخسي. (الهندية ۳۶۹/۲، ط:رشيدية)

(۳) موقوف علیہم اغنیاء اور فقراء دونوں ہوں اور دونوں محصون ہوں۔

حکم : یہ صورت وقفاً جائز نہیں وصیۃً جائز ہے۔

(۴) موقوف علیہم اغنیاء اور فقراء دونوں ہوں اور دونوں غیر محدود ہوں۔

حکم : یہ صورت نہ وقفاً صحیح ہے اور نہ وصیۃً و تملیکاً۔

قال العلامة السرخسی رحمه الله تعالیٰ : و الحاصل أنه متى ذكر مصرفا فيه تنصيص على الفقر و الحاجة فهو صحيح سواء كانوا يحصون أو لا يحصون لأن المطلوب وجه الله تعالى، و متى ذكر مصرفا يستوى فيه الأغنياء و الفقراء فإن كانوا يحصون فذلک صحيح لهم باعتبار أعيانهم و إن كانوا لا يحصون فهو باطل، إلا أن يكون فی لفظه ما يدل على الحاجة استعمالا بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالفقراء و الأغنياء فيه سواء و إن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح و تصرف إلى فقرائهم دون أغنيائهم لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة فی جواز تصحيح الكلام باعتباره و تمام بيان هذه الفصول فی كتاب الوصايا. (المبسوط ۱۲/۳۷، ط: دار احياء التراث العربی)

و قال الامام ابن مازه البخاری رحمه الله تعالى: الحاصل فی جنس هذه المسائل أنه متى ذكر مصرفاً فيه تنصيص على الفقر و الحاجة فالوقف صحيح سواء كانوا يحصون أو لا يحصون (قوله: سواء كانوا يحصون أو لا يحصون) يشير إلى أن التأبيد ليس بشرط و قد ذكرنا قبل هذا بخلافه، و متى ذكر مصرفا يستوى فيه الغنی و الفقير، يعنی ذكر اسما يتناول الغنی و الفقير، فإن كانوا يحصون فذلک صحيح باعتبار أعيانهم، يريد به أنه يصح بطريق التمليک منهم، و إن كانوا لا يحصون، فهو باطل؛ لأنه لا يمكن تصحيحه وقفاً، لأنه لا يكون قصده الصدقة إذا كان يستوى فيه الغنی و الفقير، فلو صح صح بطريق التمليک و هم مجهولون؛ و التمليک من المجهول باطل، قال: إلا أن يكون فی لفظه ما يدل على الحاجة فيما بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالأغنياء و الفقراء فيهم سواء و إن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح و يصرف إلى

فقرائهم دون أغنيائهم؛ لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة في جواز تصحيح الكلام باعتباره. (المحيط البرهاني ۸/۴۹۹، ط: ادارة القرآن)

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: مطلب متى ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة .

(قوله: إن يحصون جاز) هذا الشرط مبني على ما ذكره شمس الأئمة من الضابط و هو أنه إذا ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقة كالفقراء أو استعمالا بين الناس كاليتامى و الزمْنى؛ لأن الغالب فيهم الفقر فيصح للأغنياء و الفقراء منهم إن كانوا يحصون و إلا فلفقرائهم فقط، و متى ذكر مصرفا يستوي فيه الأغنياء و الفقراء فإن كانوا يحصون صح باعتبار أعيانهم و إلا بطل.و روى عن محمد رحمه الله تعالىٰ أن ما لا يحصى عشرة و عن أبي يوسف مائة و هو المأخوذ به عند البعض، و قيل: أربعون، و قيل: ثمانون، و الفتوى أنه مفوض إلى رأي الحاكم إسعاف و بحر. (الشامية ۴/۳۶۵،ط:ايچ ايم سعيد)

و قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ : ثم قال: متى ذكر موضع الحاجة على وجه يتأبد يكفيه عن ذكر الصدقة و كذا على أبناء السبيل أو الزَمْنىٰ ويكون للفقراء منهم. وفي الخلاصة والبزازية قال أبو حنيفة: إذا وقف مالا لبناء القناطر أو لاصلاح الطريق أو لحفر القبور أو لا تخاذ السِقَايات أو لشراء الاكفان لفقراء المسلمين لا يجوز بخلاف الوقف للمساجد لجريان العادة بالثاني دون الاول.وقف على فقراء مكة أو فقراء قرية معروفة إن كانوا لا يحصون يجوز في الحياة وبعد الممات لانه مؤبد وإن كانوا يحصون يجوز بعد الموت لانه وصية والوصية لقوم يحصون تجوز حتى إذا انقرضوا صار ميراثا منهم وإن كان في الحياة لا يجوز. (البحر الرائق ۵/۳۳۲،ط:مكتبه رشيديه)

و قال الامام برهان الدين ابن مازه البخاري رحمه الله تعالىٰ : في فتاوى أبي الليث: إذا وقف داره على فقراء مكة أو على فقراء قرية إن كان الوقف في حياته أو صحته والفقراء يحصون لا يجوز هذا الوقف؛ لأن الوقف لا يجوز إلا مؤبداً وهذا لم يقع مؤبداً لجواز أنهم يموتون فينقطع الوقف وإن

کان الفقراء لا یحصون جاز الوقف؛ لأنه وَقَفَ مؤبداً وإن کان الوقف بعد موته یجوز سواء کانوا یحصون أو لا یحصون أما إذا کانوا لا یحصون لأنه وقع موبداً وأما إذا کانوا یحصون فلأنه إن تعذر تجویزه وقفا امکن تجویزه وصیةً والوصیة لقوم یحصون تجوز حتی إذا انقرضوا صار میراثا عنهم.

(المحیط البرهانی،۸/۴۹۷ تا ۴۹۸،ط:ادارة القرآن)

حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب :ان کا مذہب آپ کے ہاں بھی حنفیہ کی طرح ہونا مسلّم ہے۔ چنانچہ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے کہ :

فقہ حنبلی میں دونوں طرح کی آراء ہیں، کچھ کا موقف شوافع اور مالکیہ کی طرح ہے،اور اکثر نے حنفیہ کی طرف موقف اختیار کیا ہے۔(صفحہ:۲۰)

شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب سے متعلق شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

''شوافع کا موقف بھی مالکیہ کی طرح ہے کہ اغنیاء پر وقف درست ہے،اور ان کے ہاں بھی وقف میں قربت کا پایا جانا ضروری نہیں،البتہ اتنا ضروری ہے کہ جہتِ معصیت کے لیے وقف نہ ہو چنانچہ مختلف کتب میں اس بات کی صراحت ہے.................۔(صفحہ :۱۸)

شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب : اس مذہب کے متعلق جو عبارات آپ نے نقل فرمائی ہیں ان میں وصیت اور تملیک کی تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقف کی تفصیل نہیں ہے جس میں عین باقی رکھتے ہوئے اس کے غلہ اور آمدنی سے موقوف علیہم انتفاع کرتے رہیں، آپ حضرات پر لازم ہے کہ تکافل کے وقف کی جو صورت ہے اس صورت سے متعلق کوئی صریح عبارت نقل فرمائیں۔ دوسرے مذاہب کی مجمل بلکہ موضوعِ مبحوث عنہ کے خلاف عبارات نقل کرنا کافی نہیں ہے۔

وإن لم یظهر القربة کالوقف علی الأغنیاء فوجهان بناء علی أن المرعی بالوقف علی الموصوفین جهة القربة أم التملیک فحکی الإمام عن المعظم: أنه القربة ولهذا لا یجب استیعاب المساکین بل یجوز الاقتصار علی ثلاثة

منهم. وعن القفال أنه قال: التمليك كالوصية وكالوقف على المعين وهذا الوجه اختيار الإمام وشيخه وطرق العراقيين توافقه حتى ذكروا أن الوقف على المساجد والربط تمليك المسلمين منفعة الوقف. فإن قلنا بالأول لم يصح الوقف على الأغنياء واليهود والنصارى والفساق والأصح: الجميع. ويجوز أن يخرج على هذا الأصل الخلاف في صحة الوقف على قبيلة كالعلوية وغيرهم ممن لا ينحصر فيهم. في صحته قولان كالوصية لهم فإن راعينا القربة صح وإلا فلا لتعذر الاستيعاب والأشبه بكلام الأكثرين ترجيح كونه تمليكا وتصحيح الوقف على هؤلاء. ولهذا صحح صاحب الشامل الوقف على النازلين في الكنائس من مارة أهل الذمة وقال: هو وقف عليهم لا على الكنيسة لكن الأحسن توسط لبعض المتأخرين وهو تصحيح الوقف على الأغنياء وإبطاله على اليهود والنصارى وقطاع الطريق وسائر الفساق لتضمنه الإعانة على المعصية.

(روضة الطالبين وعمدة المفتين ۵/۳۲۰)

أو على جهة لا تظهر فيها القربة بين به أن المراد بجهة القربة ما ظهر فيه قصدها وإلا فالوقف كله قربة كالأغنياء صح في الأصح كما يجوز بل تسن الصدقة عليهم فالمراعى انعقاد المعصية عن الجهة فقط نظرا إلى أن الوقف تمليك كالوصية ومن ثم استحسنا بطلانه على أهل الذمة والفساق لأنه إعانة على معصية وهو مردود نقلا ومعنى وتمثيل المصنف صحيح ومن زعم عدم صحته مع سن الصدقة على الأغنياء فكيف لا يظهر فيهم قصد القربة فقد وهم لوضوح الفرق بين ما لا يظهر ولا يوجد ولو حصرهم كأغنياء أقاربه صح جزما كما بحثه ابن الرفعة وغيره والغني هنا من تحرم عليه الزكاة قاله الزبيلي وبحث الأذرعي اعتبار العرف ثم تشكك فيه. (نهاية المحتاج الى شرح المنهاج ۵/۳۶۹)

أو وقف على جهة لا تظهر فيها القربة كالأغنياء وأهل الذمة والفسقة صح في الأصح نظرا إلى أن الوقف تمليك. والثاني: لا نظرا إلى ظهور قصد القربة. والثالث: يصح على الأغنياء ويبطل على أهل الذمة والفسقة وتمثيل المصنف بالأغنياء قد يرشد إليه واستحسنه في أصل الروضة بعد قوله

الأشبہ بکلام الأکثرین ترجیح کونہ تملیکا فیصح الوقف علی ہؤلاء: یعنی علی الأغنیاء وأہل الذمة والفساق وہذا ہو المعتمد ولذلک أدخلتہ فی کلام المصنف وممن صرح بصحة الوقف علی الیہود والنصاری الماوردی فی الحاوی والصیمری فی شرح الکفایة وہو المذکور فی الشامل والبحر والتتمة لأن الصدقة علیہم جائزة.(مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنہاج للخطیب الشربینی ۳/ ۵۳۱)

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب :

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب سے متعلق شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے کہ وقف تبرع اور ہبہ کے قبیل سے ہے، صدقات کے قبیل سے نہیں، لہٰذا ایسے لوگوں پر وقف کرنا جن پر وقف کرنے میں قربت یعنی صدقہ اور عبادت کا اظہار نہ ہو تب بھی وہ وقف درست ہو سکتا ہے، لہٰذا محض اغنیاء پر وقف کرنا ان حضرات کے نزدیک درست اور جائز ہے۔

(صفحہ:۱۷،۱۸)

گزارش: شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء نے مالکیہ کے مذہب سے جو عبارات پیش کر کے استدلال فرمایا ہے وہ دو وجہ سے درست نہیں:

وجہ نمبر ۱ : ''حاشیہ عدوی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمی، نصرانی اور اغنیاء وغیرہ کے لیے اولاً:......تو یہ وقف وصیۃً درست ہے نہ کہ وقفاً اور وصیت کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ موصی لہم کو تملیکاً شےء موصی بہ دی جا سکتی ہو اور ظاہر ہے کہ یہ شرط اغنیاء کے محدود اور متعین ہونے کی صورت میں تو ممکن وموجود ہے لیکن جہاں موصی لہم غیر محدود اور غیر متعین ہوں وہاں یہ شرط ممکن الوجود نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ مجہول ہوں گے اور تملیکِ مجہول بداہۃً باطل ہے۔ثانیاً:......اغنیاء بھی ذی رحم محرم ہوں۔

تنبیہ : قال ابن شاس یجوز الوقف علی الذمی وقبلہ ابن عبد السلام وقال ابن عرفة ولا أعرف فیہا نصا والأظہر جریہا علی حکم الوصیة أی

والمنقول عن ابن القاسم كراهة الوصية لليهودي والنصراني وقال تت ولا أرى به بأسا إن كان على جهة الصلة لرحم كأبيه وأخيه وأراه حسنا وأما لغير هذا فلا يتم انتهى والحاصل أن الوقف على أغنيائهم وليس هناك صلة رحم فهو مكروه وأما على فقرائهم أو على رحم وإن كان غنيا فجائز .

(حاشية العدوى على مختصر خليل ٧/٣٦٦،ط:دار الكتب العلمية)

اب تکافل میں اغنیاء کی جو بھی صورت ہوگی دونوں صحیح نہیں اگر اغنیاء محدود ہوں گے تو عین وقف کو ان پر تملیکاً تقسیم کیا جائے گا اور اگر غیر محدود ہوں تو اس صورت میں نہ یہ وقفاً صحیح ہے نہ وصیۃً

وجہ نمبر ۲ : آپ کی تحقیق کے مطابق ''حاشیہ عدوی'' سے اغماض کرتے ہوئے اگر ان عبارات کا بالفرض والتقدیر یہ ہی مطلب لیا جائے جو تحریر میں لیا گیا ہے کہ مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر محدود اور غیر متعین اغنیاء کے لیے وقف باعتبار وقف صحیح ہے نہ کہ باعتبار وصیت اور تملیک، تو یہ مطلب بھی تکافل کے لیے کچھ مفید نہیں اور نہ ہی اس کے پیشِ نظر تکافل کا وقف ان کے ہاں صحیح ہوگا کیونکہ یہ ان کے ہاں ایسی اشیاء کے وقف کے ساتھ خاص ہے جن کے عین کو بغیر تبدیلی کے باقی رکھتے ہوئے اس کے غلے سے موقوف علیہم انتفاع کر سکیں جیسے پنکھا، کرسی، مکان وغیرہ اور جہاں عین کے غلے سے بدوں ہلاک وتبدیلِ عین انتفاع ممکن نہ ہو تو ایسی اشیاء میں اتفاقاً وقف صحیح نہیں جیسے نقود کے بارے میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ جب وقفِ نقود سے مقصود موقوف علیہم پر ان کے غلہ کو صرف کرنا اور عین کو باقی رکھنا ہو تو یہ وقف اتفاقاً درست نہیں۔

............وأما على أنه ينتفع به مع بقاء عينه فهو باطل باتفاق............ .

(شرح مختصر خليل للخرشى ٧/٨٠)

مندرجہ بالا تفصیل سے ظاہر ہوا کہ وقفِ تکافل مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب میں بھی جائز نہیں۔

الحاصل : تکافل میں اغنیاء پر وقف کی جو صورتیں ہیں، مذاہب کی مندرجہ بالا تفصیل سے تمام مذاہب کی حقیقت امید ہے شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء کے سامنے بھی واضح

ہو چکی ہوگی کہ یہ صورتیں مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی جائز نہیں لہٰذا فتویٰ کی دوسری وجہ بھی اپنی جگہ پر درست ہے اور اس کے خلاف جو لکھا گیا ہے وہ تسامح ہے۔

﴿نمبر ۵﴾ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے کہ :

"ہاں البتہ اگر مطلق وقف کیا جائے جس میں اغنیاء اور فقراء دونوں شامل ہوں یا صرف فقراء کے لیے وقف کیا جائے یا اغنیاء کے لیے وقف کیا جائے اور ان کے بعد اس کے مستحق فقراء ہوں تو ان سب صورتوں میں وقف درست ہوگا، خلاصہ یہ کہ اگر اغنیاء پر ضمنی طور پر اور فقراء کے ماتحت بنا کر وقف کیا جائے تو درست ہے لیکن محض اغنیاء ہی کے لیے وقف کرنا درست نہیں، چنانچہ ہماری کتب میں ہے کہ:

مطلب لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز قوله ولو في الجملة فيدخل فيه الوقف على نفسه ثم على الفقراء وكذا الوقف على الأغنياء ثم الفقراء لما في النهر عن المحيط : لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة أما لو جعل آخره للفقراء فإنه يكون قربة في الجملة اهـ وبهذا التعميم صار التعريف جامعا واستغنى عما زاده فيه الكمال وتبعه ابن كمال من قوله أو صرف منفعتها إلى من أحب وقال إن الوقف يصح لمن يحب من الأغنياء بلا قصد القربة وهو وإن كان لا بد في آخره من القربة بشرط التأبيد كالفقراء ومصالح المسجد لكنه يكون وقفا قبل انقراض الأغنياء بلا تصدق اهـ أفاده في النهر .وأجاب في البحر أيضا بأنه قد يقال : إن الوقف على الغني تصدق بالمنفعة لأن الصدقة تكون على الأغنياء أيضا وإن كانت مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح في الذخيرة بأن في التصدق على الغني نوع قربة دون قربة الفقير .اهـ (حاشية ابن عابدين ۳۳۷/۴)

لأن الصدقة على الغني هبة كما أن الهبة للفقير صدقة لكن فيه أن المراد بالغني من يملك نصابا أما الغني بقوت يومه فلا تكون الصدقة عليه هبة بل صدقة.(حاشية ابن عابدين ۳۵۵/۲)

لا يجوز الوقف على الأغنياء وهم يحصون ثم بعدهم على الفقراء يجوز ويكون الحق للأغنياء ثم للفقراء كذا في محيط السرخسي .

(الفتاوى الهندية ٢/ ٣٦٩)

وفي المحيط لا يجوز الوقف على الاغنياء وحدهم ولو شرط بعدهم للفقراء جاز.(البحر الرائق شرح كنز الدقائق ٥/٦ ١ ٢)

ولا يجوز الوقف على الاغنياء وحدهم لانه ليس بقربة ولا يستجلب الثواب وصار كالصدقة ولو وقف على الاغنياء وهم يحصون ثم من بعدهم على الفقراء جاز ويكون كما شرط لانه قربة في الجملة بان انقرض الاغنياء.(الاختيار المختار ٣/٦ ٤)

............خلاصہ یہ کہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک اغنیاء کے لیے وقف مطلقاً جائز ہے جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تبعاً اغنیاء کے لیے وقف جائز ہے، اصالۃً ان کے لیے وقف جائز نہیں۔ اس ساری تفصیل کے بعد منسلکہ فتویٰ میں کیے گئے اعتراض کا جواب واضح ہے کہ تکافل میں وقف مطلق ہے لہٰذا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف کی روشنی میں کسی بھی مذہب میں یہ وقف ناجائز نہیں"۔ (ص:۱۹،۲۰)

گزارش : صفحہ ۱۹،۲۰ کی ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اغنیاء پر وقف سے متعلق شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء مذہبِ حنفی کا بھی مطالعہ نہیں فرما سکے ورنہ فقہِ حنفی کی صریح عبارات کے خلاف یہ تفصیل نہ لکھتے بلکہ وہی تفصیل تحریر فرماتے جو مذہبِ حنفی کی عبارات میں صراحۃً موجود ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وقفِ مطلق سے متعلق بھی دوسرے مذاہب تو درکنار مذہبِ حنفی کے مطالعہ کی بھی کوشش نہیں کی گئی ورنہ کبھی بھی تکافل کے وقف کو وقفِ مطلق نہ کہا جاتا کیونکہ تکافل کے وقف کو وقفِ مطلق کہنا خود اس کے عدمِ جواز کی ایک بہت بڑی دلیل کا اقرار کرنا ہے............کیوں؟............جواب وقفِ مطلق کی تفصیل میں ملاحظہ ہو:

وقفِ مطلق اور اس کی اقسام :

اس کی تین صورتیں ممکن ہیں:

(۱) وقفِ مطلق میں موقوف علیہم کا ذکر ایسے لفظ کے ساتھ ہو جو غنی اور فقیر دونوں کو شامل ہو، جیسے ''**داری ھذہ موقوفة علی الحجاج او علی العلماء اوعلی المجاھدین**''۔

(۲) وقفِ مطلق میں صرف وقف کا ذکر ہو اور موقوف علیہم کا کلاً یا بعضاً کسی طور پر ذکر نہ ہو ، جیسے ''**داری ھذہ موقوفة ، داری ھذہ صدقة موقوفة**''۔

(۳) وقف عام اور مطلق ہو البتہ بعض موقوف علیہم کے استحقاق عن الغلہ کی تعیین ہو۔ جیسے واقف کہے ''**داری ھذہ موقوفة ، لزید الف منھا ولعمرو الفان** '' کہ میرا یہ گھر وقف ہے البتہ اس کے غلہ، آمدنی اور کرائے میں سے زید کو ایک ہزار اور عمرو کو دو ہزار دیے جائیں گے۔

قسمِ اول کا حکم اور ضابطہ :

حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ اور قانون بیان فرمایا ہے کہ جہاں واقف وقف کا مصرِف اور موقوف علیہم وصفِ کلی یعنی وصفِ عام کے ساتھ بیان کرے، اس کی کل چار صورتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ یہ وصفِ کلی:

(۱) یا تو صرف اغنیاء کے ساتھ خاص ہوگا، یا اغنیاء اور فقراء دونوں کے ساتھ، حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اور ہر دو صورت میں یہ موقوف علیہم محصون (محدود و متعین) ہونگے۔ جیسے واقف نے کہا کہ اس محلّہ کے اغنیاء کے لئے وقف ہے، یا اس محلّہ کے جو حجاج ہیں ان کے لئے وقف ہے، اور محلے کے اندر ان کی تعداد سو (۱۰۰) کے اندر تھی یعنی محصون تھے۔

حکم: حکم اس کا یہ ہے کہ یہ وقف وصیت کے معنی میں صحیح ہو جائے گا، اور واقف کے مرنے کے بعد شےء موقوف اگر واقف کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہو تو پوری موقوف شیء، اگر تہائی سے زیادہ ہے تو بقدرِ تہائی ان محدود و متعین اغنیاء و فقراء پر تملیکاً (یعنی ان کو مالک بنا کر) تقسیم کی جائے گی۔

(۲) یا تو صرف اغنیاء کے ساتھ خاص ہوگا، یا فقراء اور اغنیاء دونوں کے ساتھ خاص ہوگا، حقیقۃً وعرفاً، اور ہر دو صورت میں یہ موقوف علیہم غیر محدود ہونگے۔ جیسے واقف نے کہا کہ یہ وقف اس بستی کے مزکین (زکوٰۃ دینے والوں) کے لئے ہے اور ان کی تعداد سوڈیڑھ سو سے زیادہ تھی یعنی غیر محدود تھے، یا واقف نے کہا کہ اس بستی کے حجاج کے لئے وقف ہے، جبکہ حجاج اغنیاء وفقراء دونوں کی تعداد سوڈیڑھ سو سے زیادہ تھی یعنی غیر محدود تھے۔

حکم: اس صورت میں یہ وقف باطل ہوگا، وقفاً بھی اور وصیۃً بھی۔

وقفاً اس لیے کہ جب مصرف اور موقوف علیہم میں غیر محدود اغنیاء بھی فقراء کے برابر شامل ہیں تو شرعاً یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا قصد قربت اور ثواب کا نہیں جبکہ صحتِ وقف کے لیے قربت اور ثواب کی ایسی نیت شرط ہے جو عند الشرع معتبر ہو۔ اور جب مصرف صرف غیر محدود اغنیاء ہونگے تو بھی وقف درست نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں قربت اور ثواب کی نیت بطریق اولیٰ معتبر نہ ہوگی۔

اور وصیۃً اس لیے کہ وصیت کی صورت میں تملیکاً دینا ہوتا ہے اور تملیکِ مجہول باطل ہے اور غیر محدود کی صورت میں یہ اغنیاء وفقراء مجہول ہیں۔

(۳) یا یہ وصفِ کلی صرف فقراء کے ساتھ خاص ہوگا حقیقۃً وعرفاً، اور وہ محدود ہوں گے یا غیر محدود وغیر متعین ہونگے، جیسے واقف نے کہا کہ یہ وقف اس بستی کے حاجت مندوں کے لئے ہے یا مساکین کے لئے یا جو صاحبِ نصاب نہیں ان کے لئے ہے، جبکہ اس بستی میں ان کی تعداد غیر محدود یعنی سوڈیڑھ سو سے زیادہ ہو یا محدود یعنی سوڈیڑھ سو یا اس سے کم۔

حکم: دونوں صورتوں میں یہ وقف صحیح ہے۔ محدود ہونے کی صورت میں ان کے ختم ہونے کے بعد یہ وقف دوسرے فقراء کے لیے ہوگا اور متولّی اپنی صوابدید پر دوسرے فقراء پر خرچ کرے گا۔

تنبیہ : بعض کتابوں میں فقراء کے محدود ہونے کی صورت میں اس وقف کو وصیت کہا گیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ یہ وقف اُس تفصیل کے مطابق درست ہے جو اوپر لکھی گئی۔

(۴) یا یہ وصف حقیقت کے اعتبار سے دونوں کے ساتھ خاص ہوگا اور عرف واستعمال کے اعتبار سے فقراء کے ساتھ خاص ہوگا، اور دونوں غیر محدود ہونگے، جیسے واقف نے کہا کہ اس بستی کے یتیموں یا بیواؤں یا اندھوں یا معذوروں کے لئے وقف ہے۔

حکم: اس صورت میں یہ وقف اغنیاء کے لیے باطل ہوگا وقفاً بھی اور وصیۃً بھی۔ جبکہ فقراء کے لئے عرفی معنی کے اعتبار سے صحیح ہوگا۔

لہٰذا اس صورت میں اغنیاء پر خرچ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

قال العلامة السرخسي رحمه الله تعالیٰ : والحاصل أنه متى ذكر مصرفا فيه تنصيص على الفقر والحاجة فهو صحيح سواء كانوا يحصون أولا يحصون لأن المطلوب وجه الله تعالى ومتى ذكر مصرفا يستوى فيه الأغنياء والفقراء فإن كانوا يحصون فذلک صحيح لهم باعتبار أعيانهم وإن كانوا لا يحصون فهو باطل إلا أن يكون في لفظه ما يدل على الحاجة استعمالا بين الناس لا باعتبار حقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالفقراء والأغنياء فيه سواء وإن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح وتصرف إلى فقرائهم دون أغنيائهم لأن الاستعمال بمنزلة الحقيقة في جواز تصحيح الكلام باعتباره وتمام بيان هذه الفصول في كتاب الوصايا. (المبسوط ۱۲/۳۷، ط: دار احياء التراث العربي)

و قال الامام برهان الدين ابن مازه البخاري رحمه الله: الحاصل في جنس هذه المسائل أنه متى ذكر مصرفاً فيه تنصيص على الفقر والحاجة فالوقف صحيح سواء كانوا يحصون أو لا يحصون (قوله سواء كانوا يحصون أو لا يحصون) يشير إلى أن التأبيد ليس بشرط وقد ذكرنا قبل هذا بخلافه، ومتى ذكر مصرفا يستوى فيه الغني والفقير، يعني ذكر اسما يتناول الغني والفقير، فإن كانوا يحصون فذلک صحيح باعتبار أعيانهم، يريد به أنه يصح بطريق التمليک منهم، وإن كانوا لا يحصون، فهو باطل؛ لأنه لا يمكن تصحيحه وقفاً، لأنه لا يكون قصده الصدقة إذا كان يستوى فيه الغني والفقير، فلو صح صح بطريق التمليک و هم مجهولون؛ و التمليک من المجهول باطل، قال: إلا أن يكون في لفظه ما يدل على الحاجة فيما بين الناس لا

بـاعتبـار حـقيقة اللفظ كاليتامى فحينئذ إن كانوا يحصون فالأغنياء والفقراء فيهـم سواء وإن كانوا لا يحصون فالوقف صحيح ويصرف إلى فقرائهم دون أغـنيـائهـم؛ لأن الاسـتـعـمـال بـمـنـزلة الـحـقيقة في جواز تصحيح الكلام باعتباره.(المحيط البرهانی ۸/۴۹۹،ط:ادارة القرآن)

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ :مطلب متى ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة .

(قوله : إن يحصون جاز) هذا الشرط مبنى على ما ذكره شمس الأئمة من الـضـابـط وهـو أنه إذا ذكر للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيهم تنصيص على الـحـاجة حـقيـقة كـالـفـقراء أو استعمالا بين الناس كاليتامى والزمْنى ؛ لأن الـغـالـب فيهـم الـفـقر فيصح للأغنياء والفقراء منهم إن كانوا يحصون وإلا فـلـفـقرائهم فقط، ومتى ذكر مصرفا يستوى فيه الأغنياء والفقراء فإن كانوا يـحـصـون صح باعتبار أعيانهم وإلا بطل.وروى عن محمد رحمه الله تعالىٰ أن مـا لا يـحـصـى عشـرة وعن أبي يوسف مائة وهو المأخوذ به عند البعض وقيـل أربـعـون وقيـل ثـمـانـون والفتوى أنه مفوض إلى رأى الحاكم إسعاف وبحر. (الشامية ۴/۳۶۵،ط:ایچ ایم سعید)

و قـال الـعـلامة ابـن نـجـيـم رحـمـه الـلـه تعالىٰ : ثم قال: متى ذكر موضع الـحـاجة عـلـى وجه يتأبد يكفيه عن ذكر الصدقة وكذا على أبناء السبيل أو الـزَمْـنـىٰ ويـكـون لـلفقراء منهم. وفى الخلاصة والبزازية قال أبو حنيفة: إذا وقف مـالا لبـنـاء الـقـنـاطـر أو لاصـلاح الـطـريـق أو لحفر القبور أو لا تخاذ السِـقَـايـات أو لشـراء الاكـفـان لـفـقـراء المسلمين لا يجوز بخلاف الوقف لـلـمسـاجد لجريان العادة بالثانى دون الاول.وقف على فقراء مكة أو فقراء قـرية مـعـروفة إن كانوا لا يحصون يجوز فى الحياة وبعد الممات لانه مؤبد وإن كـانـوا يـحـصـون يـجـوز بعد الموت لانه وصية والوصية لقوم يحصون تـجـوز حتـى إذا انـقـرضـوا صـار ميـراثـا منهم وإن كان فى الحياة لا يجوز. (البحر الرائق ۵/۳۳۲،ط:مکتبه رشیدیه)

و قـال الامـام بـرهـان الدين ابن مازه البخارى رحمه الله تعالىٰ : فى فتاوى

أبـي الـليث: إذا وقف داره على فقراء مكة أو على فقراء قرية إن كان الوقف فـي حيـاتـه أو صـحـتـه والفقراء يحصـون لا يجوز هذا الوقف؛ لأن الوقف لا يـجـوز إلا مـؤبداً وهذا لم يقع مؤبداً لجواز أنهم يموتون فينقطع الوقف وإن كـان الـفـقـراء لا يحصون جاز الوقف؛ لأنه وَقَفَ مؤبداً وإن كان الوقف بعد مـوتـه يـجوز سواء كانوا يحصون أو لا يحصون أما إذا كانوا لا يحصون لأنه وقـع مـوبداً وأما إذا كانوا يحصون فلأنه إن تعذر تجويزه وقفا امكن تجويزه وصيةً والوصية لقوم يحصون تجوز حتى إذا انقرضوا صار ميراثا عنهم.

(المحيط البرهاني،۸/۴۹۷ تا ۴۹۸،ط:ادارة القرآن)

اب شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء سے پوچھتے ہیں کہ تکافل کا وقفِ مطلق اگر اس قسم میں سے ہے تو ان چار صورتوں میں سے کس صورت میں داخل ہے؟......اور جس قسم میں داخل فرمائیں کیا تکافل میں اس قسم کا حکم جاری ہے؟......اگر نہیں تو پھر یہ وقفِ مطلق کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟......اور شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں جو غیر محدود اغنیاء اور غیر محدود فقراء دونوں کو شامل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان چاروں صورتوں میں سے بظاہر دوسری صورت میں داخل ہے اور ہر اعتبار سے باطل ہے وقفاً بھی اور وصیۃً بھی۔

دوسری قسم کا حکم اور ضابطہ:

وقفِ مطلق کی اس قسم میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عرف کی وجہ سے اس کو فقراء کے ساتھ خاص فرما کر جائز فرماتے ہیں اور بعض نے اس قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت کو اس وجہ سے کہ اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اگر یہ وقف اغنیاء کے لیے ہے تو جائز نہیں اور دوسرا یہ کہ اگر یہ فقراء کے لیے وقف ہے تو جائز ہے، اب شک واقع ہوا لہٰذا یہ وقف درست نہ ہوگا۔

ولو قال: أرضي هذه موقوفة أو قال: داري هذه موقوفة أو قال: أرضي هذه أو قـال: داري هـذه فعلى قول أبي يوسف يكون وقفاً وقال محمد وهلال لا يـكـون وقـفـاً وكـذلك عـلـى قـول الـخـصـاف وأهـل البصـرة لا يكون

وقفاً..........وجه قول محمد أن قوله: وقفت أرضي يحتمل وقفها على الفقراء فيكون وقفاً تاماً ويحتمل وقفها على الأغنياء فلا يكون وقفاً بالشك وأبو يوسف يقول: العرف الظاهر فيما بين الناس إنهم يريدون بهذا الوقف على الفقراء وكان مشايخ بلخ يفتون بقول أبي يوسف قال صدر الشهيد في واقعاته ونحن نفتي به أيضا.(المحيط البرهاني ۴۸۶/۸،ط:ادارة القرآن)

دوسری قسم کے ضابطہ اور حکم کے مطابق اگر تکافل کا وقف وقفِ مطلق ہے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق صرف مساکین پر اس کا غلہ وآمدنی صرف کرنا جائز ہوگا اغنیاء پر صرف کرنا حرام ہوگا جبکہ وقفِ تکافل میں اکثر غلہ اور آمدنی بلکہ پورا کا پورا اغنیاء پر ہی صرف کیا جاتا ہے، فقراء کے حق کو اغنیاء پر خرچ کرنا گناہ ہے یا نہیں؟......اور قیامت میں جب یہ فقراء اپنے حق کا مطالبہ کریں گے تو گلوخلاصی کے لیے کیا کوئی حیلہ اور تدبیر ہوسکتی ہے؟..........اور اصل مسئلہ تو آخرت کا ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لیتے ہیں تو یہ وقف ہی صحیح نہیں اور جب وقف صحیح نہ ہوا تو نہ فنڈ بنا نہ حوض اور شخصِ قانونی چندوں کا مالک ہوا نہ چندے چندہ دینے والوں کی ملکیت سے خارج ہوئے ، اب اس صورت میں سب مُلاک کو (اگر زندہ ہوں) واپس کرنا یا (مرنے کی صورت میں) ورثہ کو واپس کرنا کیا اہلِ تکافل کے ذمہ فرض اور لازم نہیں ہے؟......اور اس چندہ میں اہلِ تکافل کے لیے مالکانہ تصرفات کرنا حرام نہیں ہے؟.......... دونوں باتوں کا جواب ظاہر ہے اور یہی بات ہم نے فتویٰ میں لکھی ہے اور یہی بات آپ کا وقفِ مطلق ثابت کررہا ہے۔

تیسری قسم کا ضابطہ اور حکم:

اس صورت کا اجمالی حکم یہ ہے کہ یہ وقف اصل میں مساکین کے لیے ہے اور زید وعمرو کا متعین حصہ بطورِ استثناء تبعاً بیان کیا گیا ہے لہٰذا ان کی حیات میں ان کو یہ مقررہ حصہ دیا جائے گا اور موت کے بعد ان کا یہ حصہ بھی مساکین کے پاس چلا جائے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زید عمرو کے لیے جو مقدار (جو کہ مثالِ مذکور میں تین ہزار

ہے) مقرر کی گئی ہے اگر کل غلہ بھی اتنا ہے یعنی تین ہزار تو کل غلہ واقف کی شرط کے مطابق انہی دو پر تقسیم ہوگا یعنی زید کو ہزار اور عمرو کو دو ہزار ملے گا اور اگر غلہ کم ہے تو ان دو کے حصص میں جو تناسب ہے اس تناسب پر ان میں تقسیم ہوگا۔ مثالِ مذکور میں ایک کا ایک تہائی ہے اور دوسرے کے دو تہائی لہٰذا تین پر تقسیم ہوگا، اب اگر غلہ پندرہ سو روپے ہے تو پانچ سو زید کو اور ایک ہزار عمرو کو دیا جائے گا اور اگر غلہ زیادہ ہے مثلاً بارہ ہزار تو زید اور عمرو پر شرط کے مطابق تقسیم ہوگا اور زائد نو ہزار فقراء پر تقسیم کیا جائے گا اور زید عمرو میں سے جو مرے گا اس کا حصہ بھی مساکین پر تقسیم ہوگا اور اگر دونوں مر گئے تو سارا غلہ مساکین پر تقسیم ہوگا۔

في الهندية : فإن قال هي صدقة موقوفة لزيد منها مائة درهم ولعمرو مائتان أعطي كل واحد منهما ما سمى له والباقي للفقراء كذا في الحاوي .... ولو قال أرضي هذه صدقة موقوفة فما يخرج من غلتها فلزيد وعبد الله ألف درهم لعبد الله من ذلك مائة فخرج من غلتها ألف درهم كان لعبد الله من ذلك مائة والباقي لزيد فإن خرجت خمسمائة قسمت الخمسمائة بينهم على عشرة أسهم. (الهندية ۲/۴۲۷،۴۲۸)

وقال العلامة ابن مازة البخاري رحمه الله تعالىٰ : إذا قال: أرضي هذه صدقة على عبد الله فقال عبد الله: لا أقبل فالوقف جائز، و الغلة للفقراء، قد ذكرنا غير مرة أن بقوله: أرضي صدقة جعل الأرض للفقراء، و بقوله على عبد الله جعل الغلة حال حياته بطريق الاستثناء عن حق الفقراء، فإذا لم يقبل عبد الله بطل حقه وبطل الاستثناء فبقيت الغلة للفقراء بأصل الوقف. (المحيط البرهاني ۹/۹۸، ط:ادارة القرآن)

تکافل کا وقف اگر اس قسم کا وقفِ مطلق ہے کہ پہلے مطلق وقف کیا کہ یہ نقود کارِ خیر کے لیے یا اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہیں پھر مختلف پالیسیوں کے تناسب سے مستحقین کے حصے مقرر کیے کہ جو یہ پالیسی لے گا اس کو اس کے غلے میں سے پانچ لاکھ اور جو فلاں پالیسی لے گا اس کو دس لاکھ اور جو فلاں لے گا اس کو پندرہ لاکھ دیا جائے گا، اب اس قسم کے حکم کے مطابق غلہ اور آمدنی وصول ہونے کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ غلہ اس وقت کے مستحقین کے مقرر کردہ حصوں

کے مطابق ہے یا کم یا زیادہ؟......اگر مطابق ہے تو پورا غلہ اس وقت کے مستحقین پر شرط کے مطابق تقسیم کرنا ضروری ہے......اگر کم ہے تو حصص کے تناسب سے تقسیم کرنا ضروری ہے ......اگر زیادہ ہے تو حصصِ مقررہ کی مقدار مستحقین کو دے کر زائد غلہ کو مساکین و فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے جبکہ اہلِ تکافل نہ اس مسئلہ کو جانتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں۔کیا مساکین کا حق اپنے پاس روک کر خود کھانا اور حصولِ غلہ کے وقت ان کا حصہ ان پر تقسیم نہ کرنا گناہ ہے یا نہیں؟ اور قیامت میں اس حق تلفی پر سوال ہوگا یا نہیں؟

تنبیہ : کیا تکافل کا وقف، وقفِ مطلق ہے؟............

شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے علماء تکافل کے وقف کو بار بار وقفِ مطلق لکھ رہے ہیں حالانکہ خود مفتی عصمت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

> سوال : آپ شرکاء کو ملنے والی سہولت کو ''عطاءِ مستقل'' کہتے ہیں، یعنی یہ کہ اس کا شریک کے عطیات سے کوئی تعلق نہیں، تو یہ عطاءِ مستقل کس طرح ہے؟
>
> الجواب : ''عطاءِ مستقل'' اس طرح ہے کہ شروع میں واقفینِ فنڈ نے وقف کو مطلق وقف نہیں کیا، بلکہ ان کے نزدیک اس وقف سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جنھوں نے اس وقف کو چندہ دے کر اس کی رکنیت حاصل کی ہو۔(تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۲۴)

﴿ نمبر۶ ﴾ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

> ''اور یہ بھی واضح رہے کہ تکافل کی پالیسیوں کی ابتداء بارہ ہزار پانچ سو (12500) سالانہ سے ہوتی ہے اور اسے بارہ ماہ پر تقسیم کیا جائے تو ماہانہ تقریباً ایک ہزار (1050) روپے بنتے ہیں اور ماہانہ اور سالانہ اتنی رقم دینے والا شخص مالدار اور غنی نہیں کہلاتا تکافل میں اکثر پالیسی ہولڈرز اسی طرح کے پلان لیتے ہیں، اس حقیقت کی موجودگی میں یہ کہنا کہ ''کیوں کہ اس کی مختلف پالیسیاں صرف اغنیاء ہی لے سکتے ہیں'' درست نہ ہوگا۔(ص:۲۰)

گزارش: اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ:

اولاً: یہ پالیسی آپ کے کاغذات میں ہے اور امید ہے کہ آپ کے کھاتے بھی گواہی دیں گے کہ خارج میں اس پالیسی کا وجود نہیں، اور جب خارج میں نہیں تو اس کے اعتبار سے موقوف علیہم بھی نہیں۔ تعجب ہے کہ جملہ: ''اکثر پالیسی ہولڈر اسی طرح کے پلان لیتے ہیں'' (ص:۲۰) کس طرح لکھا گیا ہے؟..........لہٰذا جب خارج میں اس قسم کے موقوف علیہم نہیں تو اس کے موقوف علیہم فقراء کیسے بن گئے؟......

ثانیاً: اگر خارج میں اس قسم کے موقوف علیہم مان بھی لیے جائیں تو ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، لہٰذا ان قلیل کالمعدوم کو اصل بنا کر اس کے مقابلے میں جو کثرتِ شدیدہ ہے کو تابع کیسے بنایا؟

نیز شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

> ''چونکہ آج کل کے حالات میں عوام اور خاص کر کاروباری لوگوں کے لیے انشورنس ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے جو ایک فرد نہیں بلکہ پوری سوسائٹی کا مسئلہ ہے اور بہت سے مواقع پر اس کو چاہتے ہوئے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا ہے''......(ص:۱)

امید ہے کہ یہ جملے ہماری اس بات کی حقیقت کی طرف رہنمائی کے لیے کافی ہوں گے۔

ثالثاً: اس قسط کی نسبت سے آپ نے اس کو فقیر کیسے کہا ہے؟......فقہ کی کس کتاب میں یہ بات ہے کہ جو تکافل کمپنی کو سالانہ بارہ ہزار پانچ سو روپے جمع کرتا ہے اس کے پاس بقدرِ نصاب مال نہیں ہو سکتا یعنی اس کے پاس تقریباً پچاس ہزار روپے سونا، چاندی یا مالِ تجارت کا مجموعہ نہیں ہو سکتا..........یعنی اگر کوئی ماہانہ کسی مدرسے کو ایک ہزار پچاس روپے چندہ دیتا ہے تو وہ مسکین ہوگا......جبکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے کہ ماہانہ ہزار روپے اگر کوئی دیتا ہے تو غنی ہی ہوتا ہے، فقیر تو اولاً: دیتا ہی نہیں اور اگر دیتا بھی ہے تو پچاس سو روپے..........یقین حاصل کرنے کے لیے بڑے جامعات کے دفاتر سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

نیز شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کے افراد اغنیاء ہیں یا فقراء؟...... یہ ماہانہ کسی مدرسے کو کتنے ہزار اپنی تنخواہ سے دیتے ہیں؟......

رابعاً: اگر اس پالیسی میں تکافل نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ پالیسی صرف ان لوگوں کے لیے جائز اور بنائی ہوئی ہے جو صاحبِ نصاب نہیں تو وہ شرط دکھائی جائے اور اس کے مطابق عمل کی تفصیل بتائی جائے، **اذ لیس فلیس۔**

خامساً: کیا تکافل کی پالیسیوں میں تضاد اور تناقض ہے کہ ایک شخص صرف ایک پالیسی لے سکتا ہے دوسری پالیسی نہیں لے سکتا؟......اگر کسی نے مثلاً موٹر سائیکل کی نسبت سے بارہ ہزار پانچ سو والی پالیسی لی اور کار کے تناسب سے اسی نام سے یا مثلاً نام بدل کر پانچ لاکھ کی پالیسی لی اور صحت کے اعتبار سے دس لاکھ کی اور فیملی کے اعتبار سے بیس لاکھ کی پالیسی لی تو کیا یہ تکافل کے قوانین کے اعتبار سے ممنوع ہے؟......اگر نہیں تو موٹر سائیکل کی پالیسی کو دیکھ کر اس کو مسکین کیوں کہا جا سکتا ہے؟

سادساً: انصاف سے بتائیں کہ وقف تکافل کا مقصد یہی ابتدائی پالیسی ہے؟ کہ ہم اس کو اصل بنا کر دوسری پالیسیوں کو اس کے تابع بنائیں تاکہ وقف اصالۃً فقراء کے لیے ہو جائے اور تبعاً اغنیاء کے لیے......امید بلکہ یقین ہے کہ اہلِ تکافل بھی اس کو مانے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ پالیسی صرف وقف کو تحفظ دینے کے لیے بنائی گئی ہے تاکہ اہل تکافل پر جب اعتراض ہو تو اس کو پیش کریں گے......مقصد لاکھوں اور کروڑوں کی پالیسیاں ہیں بلکہ مقصد تکافل کے سائے میں اسلامی بینکوں کو چلانا ہے۔

اگر تکافل کی ان لاکھوں اور کروڑوں کی پالیسیوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھی موقوف کر دیا گیا تو تکافل سمیت یہ سارے اسلامی بینک دھڑام سے گر جائیں گے کیوں کہ اجارات و بیوعاتِ بنوکیہ بینک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور تکافل بینک کی اس پوری عمارت کا مرکزی ستون ہے...... بینک نہ تو بغیر تکافل کے کوئی گاڑی اجارہ پر دے سکتا ہے نہ ہی کوئی شے بیچ سکتا ہے۔

لہٰذا ہمارے اس قول"کیوں کہ اس کی مختلف پالیساں صرف اغنیاء ہی لے سکتے ہیں"......کو......"درست نہ ہوگا"......کہنا قرینِ انصاف نہیں۔

نیز تحریر کا یہ حصہ:

"چونکہ آج کل کے حالات میں عوام اور خاص کر کاروباری لوگوں کے لیے انشورنس ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے جو ایک فرد نہیں بلکہ پوری سوسائٹی کا مسئلہ ہے اور بہت سے مواقع پر اس کو چاہتے ہوئے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا ہے"......(ص:۱)

بتا رہا ہے کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ تکافل میں اصالۃً وقف اغنیاء اور کاروباری لوگوں کے لیے ہے صرف تبعاً اور برائے نام فقراء کے لیے ہے......کاش! اسی حقیقت کو الفاظ میں بھی لکھا جاتا اور جو اس کا حکم اس پر لگتا ہے اس کو بھی ساتھ ذکر کیا جاتا تو نہ تکافل رہتا نہ نزاع۔

نیز شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

"اگر یہ بات مان بھی لی جائے تب بھی وہ اغنیاء تبعاً پالیسیاں لے رہے ہوتے ہیں نہ کہ اصالۃً، کیوں کہ یہ وقف مطلق ہے اور اس سے غریب اور امیر دونوں مستفید ہو سکتے ہیں"۔(ص:۲۱)

یہ عبارت کس قدر کمزور اور حقیقت کے خلاف ہے کیوں کہ جب آپ نے مذکورہ بالا تفصیل کو تسلیم کیا کہ پالیسیاں صرف اغنیاء ہی لے سکتے ہیں اور آپ کی شرط کے مطابق وقف سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ہماری پالیسیاں خریدے گا تو اب فقراء کیسے حاصل کریں گے؟......اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پہلی جماعت کے لڑکوں کو بہت سارا پیسہ اور سامان دکھا کر کہے کہ یہ تمہارے لیے لایا گیا ہے......یہ تمہارے درمیان تقسیم ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ ابھی تمہیں ایک پرچہ دیا جائے گا جو اس پرچے کو حل کرے گا تو پرچوں کے حل کے بعد نمبروں کے تناسب سے اس مال کا مستحق ہوگا اور یہ مال اس تناسب کے مطابق ان پر تقسیم کیا جائے

گا...... پھر سوالیہ پرچہ میٹرک کا دیا جائے جس کا جواب صرف میٹرک پڑھے ہی دے سکتے ہیں، پہلی جماعت کا کوئی بچہ بھی نہیں دے سکتا...... اب جب پہلی جماعت والوں نے پرچہ خالی دیا تو ان کو کچھ نہ دیا گیا تو انہیں کہا گیا کہ ہم تو تمہارے لیے یہ سب لائے تھے لیکن پرچہ خالی دینے کی وجہ سے آپ سب مستحق نہیں ٹھہرے...... تو اہلِ انصاف ضرور یہی کہیں گے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ''یہ سامان پہلی جماعت والوں کے لیے لائے ہیں'' خلافِ واقع ہے۔

لہٰذا ہماری تحریر کے ان الفاظ'' کہ دنیا بھر کے اغنیاء ہماری تکافل کی پالیسیاں لے کر ہمارے وقف کا موقوف علیہم بن سکتے ہیں'' کی صحت اور حقیقت بھی واضح ہوگئی، اس لیے کہ آپ کا وقف مطلق ہے کسی ملک، شہر، کسی بستی، کسی مذہب، کسی طبقے کے ساتھ مقید اور خاص نہیں تو یہ دنیا بھر کے اغنیاء کے لیے ہوا یا نہیں؟؟............

الحاصل : آپ کی شرائط اور آپ کے اس اقرار:

''چونکہ آج کل کے حالات میں عوام اور خاص کر کاروباری لوگوں کے لیے انشورنس ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے جو ایک فرد نہیں بلکہ پوری سوسائٹی کا مسئلہ ہے اور بہت سے مواقع پر اس کو چاہتے ہوئے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا ہے''......(ص:۱)

نے اہل انصاف اور دیندار لوگوں کو بتایا کہ تکافل کا وقف اصالۃً اغنیاء کے لیے ہے نہ کہ تبعاً...... جبکہ آپ کی تحقیق کے مطابق بھی اغنیاء کے لیے صحتِ وقف کے لیے یہ شرط مسلّم ہے کہ اغنیاء کے لیے تبعاً ہو نہ کہ اصالۃً ورنہ وقف صحیح نہ ہوگا۔

﴿نمبر ۷﴾ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

''............اس مکمل تحریر کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحبِ بصیرت یہ نہیں کہہ سکتا کہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اغنیاء پر وقف جائز نہیں اور ''معین لوگوں'' کے لفظ سے یہ استدلال کرنا کہ اغنیاء کا محصور اور محدود ہونا ضروری ہے بالکل درست نہیں، حالانکہ ان دونوں مذاہب میں مطلق طور پر اغنیاء پر وقف جائز ہے

محصور اور محدود کی قید ضروری نہیں۔ اور باقی تمام ائمہ کا موقف تفصیل سے تمہید میں ذکر کر دیا گیا ہے''۔(ص:۲۴)

گزارش : درج ذیل تین وجوہ پر اگر انصاف سے غور کیا جائے تو کوئی صاحبِ بصیرت یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان مذاہبِ اربعہ میں اغنیاءِ محصور اور غیر محصور کے حکم میں فرق نہیں:

(۱) نمبر ۴ کے تحت اغنیاء پر وقف کی چار صورتیں مفصل بیان ہوئی ہیں جن میں فرق صراحۃً موجود ہے۔

(۲) ''معین لوگوں''......الخ......(ص:۲۴) اگر معین اور غیر معین دونوں کا حکم ایک ہے تو لفظ معین کے اضافے کی کیا ضرورت تھی؟ ...... یہ کون سی بصیرت ہے کہ بلا دلیل اتنے بڑے مفتی اور ڈاکٹر صاحب کے اس لفظ کو بلا وجہ لغو قرار دیا جائے۔

(۳) خود عبارت میں جہت قربت اور تملیک میں جو فرق کیا گیا ہے وہ بھی اس تعین کو مستلزم ہے کیوں کہ قربت کی صورت میں تین افراد پر اکتفاء اور اقتصار کو جائز کہا گیا ہے جبکہ تملیک کی صورت میں کالوصیۃ کی تصریح کر کے کم افراد پر اقتصار و اکتفاء کو ناجائز فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ کمی اس صورت میں متصور ہے جب کل افراد جن کو شے موقوف وصیت کی طرح تملیک کی جائے گی وہ معلوم اور متعین ہو، اگر کل افراد معلوم و متعین نہیں ہیں تو ایسی تملیک اور وصیت تو بداہۃً باطل ہے اس لیے حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عدمِ تعین کی صورت میں وصیت کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے اور اسی فرق اور امرِ بدیہی کی بنیاد پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے ''الموصوفین'' کا ترجمہ معین لوگوں سے کیا ہے جو بالکل درست ہے۔

ان تین امور پر غور کرنے کے بعد امید بلکہ یقین ہے کہ ہمارے استنباط کی صحت معلوم ہو جائے گی۔

وضاحت : خصوصی توجہ کی درخواست ہے.....دیکھیے !......حضرات احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقف علی الاغنیاء کی چار صورتیں آپ حضرات نہیں مانتے بلکہ اس کی دو صورتیں بناتے ہیں:

(۱) صرف اغنیاء پر وقف ہو۔

(۲) دونوں پر وقف ہو، چاہے اغنیاء متعین ہوں یا نہ ہوں۔

حالانکہ اس کی چار صورتیں بنتی ہیں، جن کے احکام مختلف ہیں اور صراحۃً عبارات میں مذکور ہیں، تو......فقہ حنفی......جس کی کتابیں ساری کی ساری ہمارے سامنے موجود ہیں پھر بھی اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے......تو......دوسرے مذاہب سے ایک آدھ عبارت نقل کر کے کوئی فیصلہ ان کی طرف منسوب کرنا کیا کسی طرح بھی مناسب ہے؟؟......لہٰذا دوسرے مذاہب میں اگر ان صورتوں کا حکم فقہ حنفی کے خلاف ہے تو ہر صورت کا حکم علیحدہ صراحت کے ساتھ دکھانا ضروری ہے، بدوں صراحت مجمل عبارات سے ان کے ذمے کوئی بات لگانا، دیانت اور امانت کے منافی ہے۔

﴿نمبر ۸﴾ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

اغنیاء اور فقراء دونوں پر وقف کی شرط :

تیسری وجہ اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ :

وجہ نمبر۳ : اغنیاء اور فقراء دونوں پر وقف کے جواز کی شرط کا نہ ہونا:

اگر کوئی کہے کہ تکافل میں اغنیاء اور فقراء دونوں پر وقف ہوتا ہے، اور یہ جائز ہے تو یاد رہے کہ اس کا جواز اس شرط سے ہے کہ اغنیاء محصون اور محدود ہوں جبکہ تکافل میں اغنیاء محصون اور محدود نہیں ہوتے، کما لا یخفی۔

لا یجوز الوقف علی الاغنیاء وھم یحصون ثم بعدھم علی الفقراء یجوز و یکون الحق للاغنیاء ثم للفقراء کذا فی محیط السرخسی.

(الفتاویٰ الھندیة ۲/ ۳۶۹، ط: رشیدیة)

اس کا جواب اوپر کی تحریر میں آ گیا کہ تکافل میں وقف مطلق ہے اس میں اغنیاء اور فقراء کی کوئی تفصیل نہیں جس کی وضاحت گزر چکی ہے لیکن اگر اس شرط کو فقہاء کی نظر سے دیکھا جائے تو اغنیاء پر وقف کرنے میں بنیادی شرط یہ

ہے کہ صرف اغنیاء کے لیے وقف نہ کیا جائے کیونکہ جن فقہاء کے نزدیک وقف
کی صحت کے لیے جہتِ قربت شرط ہے تو ان کے ہاں یہ شرط نہیں پائی جائے گی
اب اگر موقوف علیہم میں فقراء کے ساتھ اغنیاء بھی شامل ہوں تو جہتِ قربت کے
پائے جانے کی وجہ سے وقف جائز ہو جائے گا لیکن اگر اغنیاء لامحدود ہوں تو اس
صورت میں موقوف علیہم میں فقراء نہیں آئیں گے تو جہتِ قربت کے نہ پائے
جانے کی وجہ سے وقف درست نہ ہوگا، خلاصہ یہ کہ اصل شرط جہتِ قربت کا پایا
جانا ہے، اغنیاء کا محدود اور محصور ہونا نہیں یہ شرط محض جہتِ قربت کے تحقق کے
لیے لگائی گئی ہے۔ (ص:۲۴)

گزارش: اس کا جواب اوپر کی تحریر میں آ گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اصل مدارِ حکم اغنیاء کا محصور اور محدود ہونا یا نہ ہونا نہیں،...... بلکہ جہتِ قربت کا ہونا یا نہ ہونا ہے،......اور جہتِ قربت کے وجود اور عدمِ وجود کے لیے آپ نے بطورِ شرط خود یہ بات تسلیم کی کہ فقراء کے ساتھ اگر اغنیاء محصور یا محدود ہیں تو جہتِ قربت ہے اور وقف درست ہے اور فقراء کے ساتھ اغنیاء اگر لامحدود اور لامحصور ہیں تو جہتِ قربت نہیں لہٰذا وقف درست نہیں ،ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرات احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب اغنیاء اور فقراء دونوں کے لیے وقف ہو تو اگر اغنیاء محدود اور محصور ہیں تو وقف درست ہے اگر غیر محدود اور غیر محصور ہیں تو درست نہیں، اور یہی بات الحمدللہ آپ بھی مان رہے ہیں اور تکافل میں آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ اغنیاء غیر محصور اور غیر محدود ہیں کیوں کہ جتنی تعداد حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے محصور کی بتائی ہے تکافل میں اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔

اور جن حضرات کے ہاں جہتِ قربت صحتِ وقف کے لیے شرط نہیں وہ تملیک اور وصیت کی وجہ سے اس کو جائز فرماتے ہیں اور تملیک اور وصیت کی صحت کے لیے اغنیاء کا محدود ہونا بدیہی طور پر ضروری ہے جیسا کہ اوپر عبارات میں اس کی تصریح ہے اور دوسرے مذاہب میں بھی جہاں اغنیاء کا ذکر ہے تو وہ وصیۃً اور تملیکاً ہے ....لہٰذا جہاں صرف اغنیاء محدود ہوں تو

تملیکاً دیا جائے گا البتہ جہاں اغنیاء محدود اور فقراء غیر محدود ہوں تو فقہ حنفی میں اس وقف کو درست قرار دیتے ہوئے شرطاً واستثناءً ان محدود اغنیاء کو وقف سے انتفاع کا مستحق قرار دیا گیا ہے..........اب آپ حضرات سے یہ سوال ہے کہ جہاں دوسرے مذاہب میں تملیک کالوصیۃ کا ذکر ہے تو یہ تملیک کالوصیۃ وقف ہے یا احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح وقف ختم ہوکر صرف وصیت اور تملیک ہے؟..........اگر پھر بھی وقف ہے تو تملیکاً کالوصیۃ کا مطلب کیا ہے؟..........غلہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟..........اگر فقراء کے لیے غلہ ہے اور اغنیاء کے لیے تملیکِ عین ہے تو اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟......اس کی وضاحت باحوالہ کی گزارش ہے..........ان سوالات کے سلسلہ میں ہماری فہم کے مطابق تو جب موقوف علیہم صرف محدود اغنیاء ہوں پھر بھی مالکیہ وغیرہ میں اختلاف ہے.....بعض جائز اور بعض ناجائز فرماتے ہیں.....لہٰذا جہاں موقوف علیہم غیر محدود اغنیاء ہوں گے تو وہاں یقیناً عدمِ جواز پر اتفاق ہوگا.....جیسے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ورنہ صریح عبارت دکھائی جائے۔

﴿نمبر ۹﴾ شریعہ کمپلائنس ڈپارٹمنٹ کی تحریر میں مذکور ہے:

تبرعاً اور مجاناً دی جانے والی اور رقوم اور اشیاء کے لیے فقہاء تین طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، عطیہ، صدقہ اور ہبہ۔ ان تینوں میں کچھ بنیادی فرق ہے، اگر ان کو مدِنظر رکھا جائے تو اوپر ذکر کردہ اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان تینوں میں لفظِ عطیہ عام ہے جو کہ صدقہ اور ہبہ دونوں پر بولا جاتا ہے، لیکن صدقہ اس عطیہ کو کہتے ہیں جس میں ثواب کی نیت ہو اور ہبہ اس عطیہ کو کہتے ہیں جس میں موہوب لہ کی خوشنودی مقصود ہو، یہی وجہ ہے کہ اغنیاء کو ہبہ تو دیا جاسکتا ہے، صدقہ نہیں دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ان کو دی جانے والی چیز پر اگر ثواب کی نیت کریں گے تو وہ محلِ ثواب نہ ہونے کی وجہ سے ثواب کی نیت کرنا درست نہ ہوگا، جس کی وجہ سے ان پر تصدق جائز نہیں۔ اب اگر وقف اور اس کو دیے جانے والے چندہ (عطیہ) کو دیکھا جائے

تو علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وقف میں ثواب کی نیت شرط نہیں، اگر بغیر ثواب کی نیت کے وقف کیا جائے تو وہ وقف درست ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کافر وقف کرے تو اس کا وقف بھی درست ہو جائے گا کیوں کہ وقف بغیر ثواب کی نیت کے مباح ہے۔ جب وقف میں ثواب کی نیت شرط نہیں تو اس کو دیا جانے والے چندہ میں بدرجہ اولیٰ شرط نہیں ہونی چاہیے، لہٰذا اگر کوئی ثواب کی نیت کے بغیر بھی کسی وقف کو چندہ دیتا ہے تو اس کا یہ چندہ دینا درست اور جائز ہے''۔ (ص: ۲۵، ۲۶)

گزارش: الحمدللہ!......اللہ تعالیٰ نے خود آپ حضرات سے عطیہ، صدقہ اور ہبہ کے مابین فرق لکھوا دیا اور یہ تصریح بھی خود لکھوا دی کہ صدقہ اس عطیہ کو کہتے ہیں جس میں ثواب کی نیت ہو اور ہبہ اس عطیہ کو کہتے ہیں جس میں موہوب لہ کی خوشنودی مقصود ہو، آپ کی اس تفصیل نے مسئلہ حل کر دیا کیوں کہ حوض اور وقف فنڈ (شخصِ قانونی) کے عطیے کو ہبہ کہنا تو عقلاً بھی درست نہیں کیوں کہ بے جان چیز کی خوشنودی، چہ معنی دارد!!! ؟اس لیے اس کو لامحالہ صدقہ ہی کہا جائے گا اور صدقہ میں خود آپ نے ثواب کی نیت کو ضروری قرار دیا ہے اور یہی بات ہم نے لکھی ہے لہٰذا اس تفصیل پر آپ نے اپنی تفریع:

''کہ جب وقف میں ثواب کی نیت شرط نہیں تو اس کو دیا جانے والے چندہ میں بدرجہ اولیٰ شرط نہیں ہونی چاہیے، لہٰذا اگر کوئی ثواب کی نیت کے بغیر بھی کسی وقف کو چندہ دیتا ہے تو اس کا یہ چندہ دینا درست اور جائز ہے''۔ (ص:۱۹)

کو خود رد کر دیا بلکہ اس کے خلاف کو ثابت کیا کہ وقف کو چندہ اور عطیہ دینا چونکہ صدقہ ہے اس لیے اس میں نیتِ ثواب ضروری ہے، مزید تفصیل منسلکہ کتابچہ میں صفحہ ۹۲ پر دیکھیں۔

احمد ممتاز

دارالافتاء جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

مدنی کالونی ہاکس بے روڈ گریکس ماری پور کراچی

۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب کی چند کتابیں

- اصلی چہرہ
- حیض ونفاس
- اصلی زینت
- مسلمان تاجر
- مسائلِ رمضان المبارک
- آٹھ مسائل
- غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ
- حج وعمرہ میں خواتین کے مسائلِ مخصوصہ
- درسِ ارشاد الصرف
- درسِ نحو میر
- اسلامی بینکاری
- قربانی کے فضائل ومسائل
- انتہائی مفید دعا
- ڈاڑھی اور مونچھ مع ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذہانت کے دلچسپ واقعات
- ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ کا حکم
- مروجہ تجارتی کمپنیاں اور اسلامی شرکت ومضاربت
- منفرد اور مقتدی کی نماز اور قراءت کا حکم
- اصلی زیور
- عباد الرحمٰن کے اوصاف
- مطالبہ
- پانچ مسائل
- استشارہ واستخارہ
- کپڑے موڑ کر ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم
- اسلام کی حقیقت
- حی علی الفلاح پر قیام کا مسئلہ
- تقویٰ کے انعامات
- حیلہ اسقاط
- طلاقِ ثلاث
- ادعیہ نافعہ

ناشر
تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

مروجہ تکافل اور شرعی وقف
مروجہ انشورنس کا غیر شرعی متبادل
مرتب
حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم